داعیِ اسلام
مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب
سے ایک گفتگو
پیش کش:
مولانا محمد عمر ناصحی ندوی
مرتب
مفتی روشن شاہ قاسمی
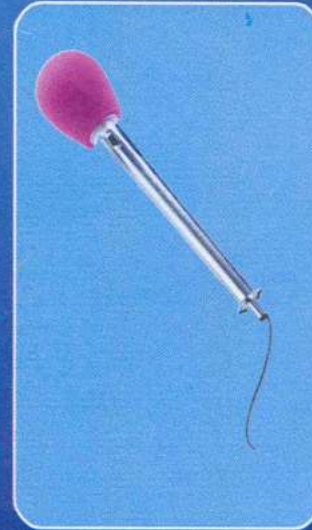
داعیِ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی مدظلہ

سے

ایک گفتگو

پیش کش:

مولانا محمد عمر ناصحی ندوی

ترتیب

مفتی محمد روشن شاہ قاسمی

شائع کردہ

مکتبہ شاہ ولی اللہ

B-25/1 رحمٰن کمپلیکس، بٹلہ ہاؤس چوک، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

Mobile : 9899166988

نام کتاب : داعی اسلام حضرت مولانا کلیم صدیقی سے ایک گفتگو

پیش کش : مولانا محمد عمر ناصحی ندوی

ترتیب : مفتی محمد روشن شاہ قاسمی

صفحات : چونسٹھ(۶۴)

قیمت : تیس(۳۰)روپے

اشاعت : 2010

باہتمام : سعید الظفر عفی عنہ

شائع کردہ

مکتبہ شاہ ولی اللہ

B-25/1 رحمٰن کمپلیکس، بٹلہ ہاؤس چوک، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

Mobile : 9899166988

ملنے کا دوسرا پتہ:

دفتر ''ارمغان'' پھلت، ضلع مظفر نگر(یوپی) 251201

باسمہ تعالیٰ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی محبت مخلوق کے دلوں میں پیدا فرمادیتے ہیں اور وہ بغیر تخت وحکومت کے دلوں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے ''اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا '' جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں نیکیاں ان کو دے گا رحمٰن محبت (ترجمہ موضح قرآن سورہ مریم آیت نمبر ۹۶) اس آیت کے فائدہ کے تحت حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یعنی ان سے محبت کرے گا یا ان کے دل میں اپنی محبت پیدا کرے گا یا خلق کے دل میں ان کی محبت'' اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ'' جب حق تعالیٰ شانہٗ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے فلاں شخص پسند ہے تم بھی اس سے محبت کرو، وہ خود محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان پر آواز دیتے ہیں کہ فلاں بندہ اللہ کا پسندیدہ ہے تم سب اس سے محبت کرو پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اس کے لئے زمین پر قبولیت رکھدی جاتی ہے (بخاری شریف حدیث نمبر ۲۹۷۰)

خدا کی محبت کا یہی فیضان و پرتو ہے کہ داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی مدظلہٗ کی محبت مخلوق کے دلوں میں ایسی پیدا فرمادی کہ لوگ حضرت مولانا سے بلا مبالغہ دیوانہ وار محبت کرتے ہیں اور ملاقات و دیدار کے لئے بے چین رہتے ہیں اور حضرت مولانا کے حالات زندگی سے واقفیت کے متمنی رہتے ہیں کیونکہ اللہ والوں پر اخفاء حال کا غلبہ ہوتا ہے اور اپنے آپ کو تواضع کی چادر میں چھپاتے ہیں محترم ہارون بھائی موزہ والا بمبئی فرماتے ہیں کہ داعی اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی اس زمانے کے

انسانوں کی سطح سے بہت اونچے ہیں حضرت مولانا نے اپنے حالات زندگی کی اشاعت کو پسند نہیں فرمایا بہت عرصہ قبل ۲۰۰۴ء میں ماہنامہ الحسنات رامپور میں ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو بہت مختصر تھا۔ "نسیم ہدایت کے جھونکے" (جلد چہارم) میں حضرت مولانا کا انٹرویو شامل کرنے کے ارادہ سے بندہ نے درخواست کی لیکن حضرت مولانا نے قبول نہیں فرمائی لیکن بندہ نے باصرار عرض کیا کہ حضرت اس انٹرویو کی اشاعت سے دعوتی فائدہ ہوگا تو اجازت عطا فرمائی اور حسنِ اتفاق کہ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ میں مولانا عمر ناصحی صاحب ندوی نے حضرت مولانا سے ذاتی زندگی کے متعلق کچھ سوال کئے تھے اور اس نجی گفتگو کو ریکارڈ کر کے اسے قلمبند کر لیا تھا۔ میں حضرت مولانا وصی سلیمان صاحب ندوی مد ظلہٗ مدیر ماہنامہ "ارمغان" کا بہت ہی ممنون ہوں کہ انہی کی کوشش سے یہ انٹرویو اشاعت پزیر ہو رہا ہے اور مولانا عمر ناصحی صاحب ندوی زید مجدہٗ کا بھی ممنون ہوں کہ ان کے ذریعہ یہ قیمتی مواد حاصل ہوا، برادرم محمد یعقوب علی سلمہ نے تصحیح کے فرائض انجام دئے اللہ پاک انھیں جزائے خیر عطا فرمائے مقام مسرت ہے کہ حضرت مولانا کا یہ مفصل انٹرویوز زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔ یہ انٹرویو انشاء اللہ دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوگا اور دلوں کے اندر ایک نیا ولولہ پیدا کرے گا۔ افادۂ عام کی غرض سے اسے الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے اللہ پاک ہماری اس کوشش کو جو اسی کے توفیق سے ہوئی ہے قبول فرمائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد روشن شاہ قاسمی سونوروی

۲۳؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ مطابق ۷؍مئی ۲۰۱۰ء بروز جمعہ

داعی اسلام
حضرت مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی سے ایک گفتگو

قارئین ارمغان کو مبارک ہو کہ ایک زمانے سے بہت سے قارئین کا اصرار تھا کہ داعیٔ اسلام حضرت مولانا محمد کلیم صاحب صدیقی مدظلہ العالی کا انٹرویو شائع ہو، بار بار حضرت معذرت کر دیتے تھے، ہمارے نوجوان عالم اور داعیٔ مولوی عمر ناصحی ندوی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ماہ مبارک ۱۴۳۰ھ میں ایک نجی گفتگو کو ریکارڈ کیا، اور مفتی محمد روشن شاہ کے اصرار اور حضرت سے اجازت کے بعد اسے قلم بند بھی کر دیا۔ (مدیر)

سوال: بہت عرصہ سے رفقاء کا اصرار ہے کہ آپ سے، آپ کے بچپن کے حالات، بزرگوں سے تعلق، اور پھر دعوت سے وابستگی کے بارے میں معلومات قلم بند کی جائیں، اگر آپ اجازت عطا فرما دیں تو ہم سب کو فائدہ ہو؟

جواب: مجھ جیسے ناکارہ انسان کے حالات سے تم لوگوں کو کیا فائدہ ہوگا،، اکثر حالات تو سناتا ہی رہا ہوں، تم تو گھر کے ایک فرد ہو اس لئے تمھارے سامنے تو یہ حالات آئے ہی ہوں گے۔

سوال: یادداشت کے مقابلہ میں آپ کی زبان سے سنیں گے تو زیادہ اچھا لگے گا، اپنی پیدائش، بچپن کے حالات اور خاندان کے بارے میں پہلے کچھ فرمادیں؟

جواب: جی ہاں بڑا اچھا لگتا ہے، کہ جب اپنے رب کریم کے ان بے حد وحساب انعامات کا ذکر کرتا ہوں، جو میرے اللہ نے اس عاصی اور کمینے بندہ پر پیدائش بلکہ پیدائش کے پہلے سے بارش کی طرح برسانے شروع کردیئے تھے، یہ حقیر اپنے اکابر کی خدمت میں جب بھی پہلا عریضہ لکھتا تھا تو اردو کے مشہور شاعر چکبست کا یہ شعر اپنے حسب حال ہونے کی وجہ سے لکھتا تھا:

لکھا ہے داور محشر نے میری فرد عصیاں پر یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

ان انعامات میں جو اس حقیر پر اللہ تعالی نے بلا طلب اور بلا اہلیت عطا فرمائے ان میں ایک بڑا قابل رشک بلکہ قابل فخر انعام یہ ہے کہ اس حقیر کی پیدائش ۹ رربیع الاول ۱۳۷۷ھ بروز دوشنبہ صبح کے وقت ہوئی، یعنی پیدائش کے لحاظ سے پیارے رسول ﷺ کی تاریخ، دن اور وقت کے لحاظ سے اتباع نصیب ہوئی، پھلت اس حقیر کا جائے پیدائش ہے، جسے مولانا مناظر احسن گیلانی نے ہندوستان کا ''البدو'' کہا ہے، یہ پھلت ایسی بستی ہے، کہ جس کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ۸۶۲ھ میں عارف ربانی حضرت، قاضی یوسف ناصحیؒ (شیخ واستاذ ومربی بادشاہ سکندر لودھی، ومرشد شاہ بہلول لودھی) نے ایک ببول کے پیڑ کے نیچے دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے شاگردوں کے درس سے اس کی اساس رکھی، اور ۸۶۲ھ سے آج تک وہ درس کسی نہ کسی شکل میں قائم ہے، جو ایک ادارہ بن کر اب مرشدی وسیدی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کے حکم سے جامعہ امام ولی اللہ کے نام سے موسوم کردیا گیا ہے، جس کو نہ صرف حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ

کا معنوی مادر علمی ہونے کا شرف حاصل ہے، بلکہ اس درس کے تواتر تاریخی سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ، ان کے شیخ ومرشد حضرت خواجہ باقی باللہ، مشہور محدث شیخ علی متقی برہان پوریؒ (جو پوتے ہیں قاضی یوسف ناصحیؒ کے) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم، اور دادا شیخ وجیہ الدین شہیدؒ (جو اپنے شیخ ومرشد شاہ ابوالفتحؒ، خلیفہ وجانشین حضرت نظام نارنولویؒ سے تعلق اور آپ کی ایما پر رہتک سے ہجرت کرکے پھلت آکر رہنے لگے تھے) جیسے علماء کرام اور مقتدایان زمانہ شامل ہیں، اس بستی کو امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا مرکز آغاز ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، اس بستی کے صدیقی شیوخ کے خاندان (جو قاضی یوسف ناصحیؒ کی اولاد ہے، اور جسے شاہ ولی اللہؒ کے ننہالی خاندان ہونے کا شرف حاصل ہے) سے بدنام کرنے کے لئے اس حقیر کا نسبی تعلق ہے۔

والد ماجد جناب حاجی محمد امین صاحبؒ تھے، جو ابتدا میں حضرت شیخ بہاء الدین چنڈ یرویؒ سے بچپن میں دادا کے ساتھ جاکر بیعت ہوگئے تھے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ کے بزرگوں میں سے تھے، اور بعد میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے بیعت ہوئے، حضرت تھانویؒ سے فکری مناسبت رکھتے تھے، حضرت مولانا اسعد اللہؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سے بہت بے تکلفی کا تعلق تھا، علاقہ کے مشہور زمین داروں میں ان کا شمار تھا، بہت سادہ زندگی گذارتے تھے، مگر سوچ اور فکر بہت اعلی تھی، کھیتی بھی بہت ہی معیاری کرتے تھے، مغربی یوپی میں سب سے پہلے انگلینڈ سے دو ٹریکٹر ہمارے والد صاحب نے ہی منگوائے تھے، جن کے ساتھ کئی ماہ تک دو انگریز انجینئر رہنمائی کے لئے ہمارے یہاں رہے تھے، لوگ ان کو میاں جی

کہتے تھے، غیر مسلم لوگ ان کی سخاوت اور ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا القاب بولتے تھے، معمولات اور اصول کے حد درجہ پابند، زندگی کے آخری ساٹھ سالوں میں شاید تہجد اور معمولات کی کبھی ناغہ نہ ہوئی ہو، انسانوں کے کام آتے، عفوودرگذر اور زندگی کی سادگی کی نہ جانے کتنی حکایات عوام وخواص میں والد صاحبؒ کی مشہور تھیں، معاملات کی صفائی کی وجہ سے بڑے بڑے لوگوں میں بڑی ساکھ تھی، ہمارے دادا حاجی ظہور اللہ صاحب حضرت گنگوہیؒ کے مسترشدین میں بہت زاہدانہ مزاج رکھنے والے صوفی تھے۔

اس حقیر کی والدہ ماجدہ محترمہ زبیدہ خاتون، سادات بارہہ میں سے نصیر پور پھیڑی ضلع مظفر نگر سے تعلق رکھتی تھیں، وہ والد صاحب کی تیسری اہلیہ تھیں، والد صاحب نے پہلی شادی اپنی بیوہ ممانی سے کی تھی جو عمر میں والد سے بہت بڑی تھیں، ان کے انتقال کے بعد ایک شادی پھلت میں ہوئی، ان کا بھی جلد انتقال ہو گیا، تیسری شادی ہماری والدہ سے ہوئی، جو عمر میں والد صاحب سے کم تھیں، والدہ حد درجہ عالی اخلاق اور غریب پرور مزاج رکھتی تھیں، زندگی بھر:

صَلِّ مَنْ قَطَعَکَ، وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ، وَآتِ عَنْ مَّنْ حَرَمَکَ، وَاَحْسِنْ عَمَّنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ (حدیث نبوی)

قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ تعلق جوڑو، ظالم کو معاف کردو، جو تم کو محروم کرے اسے عطا کرو، اور بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ احسان کا سلوک کرو، کا بالکل مظہر ان کی زندگی تھی، والدہ ماجدہ اکثر اس حقیر کا شفقت کے ساتھ بھائی بہنوں اور گھر والوں کے سامنے ذکر کرتیں تو بڑا اچھا لگتا، میرے کلیم نے بچپن میں مجھے بالکل پریشان نہیں کیا، یہ

بھی اس حقیر پر اللہ کی بڑی نعمت تھی۔ مجھ سے دو بڑے بھائی، تین بہنیں، اور ایک بھائی اور دو بہنیں چھوٹی ہیں۔

ابتدائی تعلیم اسی تاریخی مدرسہ میں ہوئی جس پر پھلت کی اساس رکھی گئی، جس کا نام قطب عالم حضرت گنگوہیؒ نے اپنے ایک مسترشد حضرت مولانا فیض احمد پھلتیؒ کے نام پر فیض الاسلام رکھ دیا تھا اور اب جامعہ امام ولی اللہ کے نام سے موسوم ہے، گاندھی جی ۱۹۲۹ء میں یہاں آئے، تو معائنہ میں بڑے اچھے کلمات لکھے، پہلی کلاس میں داخلے کیلئے بھائی صاحب لے کر گئے تو عمر چار سال سے کم تھی، قانون آیا تھا کہ پانچ سال سے کم پہلی کلاس میں داخلہ نہ ہو، تو بھائی صاحب نے ایک سال عمر زیادہ لکھوا کر داخلہ کروایا، قاعدہ اور عم کا پارہ ایک ماہ میں پڑھا، اور پھر قرآن مجید پڑھنے کا شوق ہوا، چار روز میں پورا ناظرہ کلام مجید پڑھا اور پانچویں روز استاذ کو جگہ جگہ سے سنایا اور بتاشے خوشی میں تقسیم ہوئے، پانچویں کلاس میں حفظ شروع کیا، سات پارے حفظ کئے تھے کہ چھٹی کلاس میں کھتولی داخلہ لیا، پکیٹ انٹر کالج میں سائنس سے بارہویں کلاس پاس کی، چھٹی کلاس میں تھا کہ ایک عرب جماعت پھلت آئی، اس کے ساتھ امیر صاحب کی اجازت سے جو افریقہ کے گجراتی تھے تین دن لگائے، اور پھر تبلیغی جماعت سے فطری مناسبت کی وجہ سے اس میں شامل ہو گیا۔

ہماری والدہ کے شیخ و مرشد اور ہمارے والد صاحب کے دینی مشیر اور دوست، حضرت مولانا علاؤ الدین صاحبؒ ایک بزرگ پھلت میں تھے جنھوں نے میرا اور ہمارے سبھی بھائی بہنوں کا نام رکھا، حضرت مولانا الیاسؒ نے جب تبلیغ کا سلسلہ شروع کرنے کا ارادہ فرمایا تو تین بار ان سے مشورہ کے لئے پھلت تشریف

لائے ،حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے یہاں بھی حضرت مولانا علاؤ الدینؒ کی بڑی قدر و منزلت تھی ،جن کو علاقہ کے لوگ بڑے مولوی صاحب کہتے تھے،ان کے اکرام میں تبلیغ کے ابتدائی ضابطوں کی وجہ سے جماعت والے پھلت آ کر تشکیل نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے پھلت والوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ پھلت والوں کو جماعت میں جانے کی ضرورت نہیں جس کی وجہ سے یہاں جماعت کا کام بالکل نہ کے برابر تھا،اس حقیر کو بہت تکلیف تھی ،اس حقیر نے بچوں کی ایک جماعت بنائی،اور کام شروع کیا،کبھی ایک دو بوڑھے بھی ہم پر ترس کھا کر گشت وغیرہ کرا دیتے تھے،جماعت کے کام سے دل چسپی کی وجہ سے اس حقیر کی حاضری اسکول میں متاثر ہوتی تھی ،جس کی وجہ سے اساتذہ کو شروع میں بدگمانی رہی ،مگر الحمد للہ امتحانات کے نمبرات دیکھ کر سارے اساتذہ حد درجہ اعتماد کرنے لگے۔انٹر میڈیٹ کرنے کے بعد میرٹھ کالج سے بی ایس سی کیا،اور پی ایم ٹی (ایم بی بی ایس کے داخلہ کا جو امتحان اس وقت پورے ملک کا ہوتا تھا) اس میں بیٹھا،اور الحمد للہ اس میں پورے ملک میں میرا استاون واں نمبر آیا،بہت سے میڈیکل کالجوں نے مجھے مبارک باد کے خطوط لکھے اور اپنے یہاں داخلہ کی پیش کش کی ،مگر میرے اللہ کو اپنے بندے پر ترس آ رہا تھا،اللہ کے نیک بندوں کی زیارت ،اور نیک بندوں سے خاندانی تعلق ،خصوصاً والدین کی نیکی کام آئی ، اس گندے اور گنوار کو میرے کریم اللہ نے شیخ العرب والعجم سیدی وسندی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی قدس اللہ سرہ ونور اللہ مرقدہ کے قدموں میں پہنچا دیا،اس حقیر نے حضرت والا سے تعلق کی برکت سے ندوہ کے خصوصی درجات میں داخلہ بھی لے لیا،ایم بی بی ایس کا ارادہ ترک کر دیا،شروع میں گھر والوں کو بتایا بھی نہیں کہ میں نے پی ایم ٹی کوالیفائی کر لیا ہے،بعد میں بھائیوں کو معلوم ہوا

تو ناراض بھی ہوئے کہ ہمیں ایسا دنیا دار سمجھا،ہم تو خود بھی خوش ہوتے کہ دین کا انتخاب کیا،میرے حضرت والا نے حضرت مولانا عارف سنبھلیؒ ،حضرت مولانا شہباز اصلاحی کو اس حقیر کے لئے خصوصی طور پر نظر عنایت رکھنے کا حکم فرمایا جو ندوۃ العلماء کی مسجد میں اس حقیر کو خاص وقت دیتے تھے،ندوہ میں رہ کر اس حقیر نے بس ندوہ کی روٹیاں کھائیں اور مظفر نگر کا ایک دیہاتی گنوار کر بھی کیا سکتا تھا،بہر حال کچھ حالات رہے،حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے ہریانہ کے ارتداد سے متاثرہ علاقہ میں کام کے لئے بھیج دیا اور یہ حقیر ندوہ میں رہ کر نصاب کی تکمیل سے محروم واپس لوٹا،لوگ مولانا کہنے لگے،شروع میں لوگوں کو منع کرتا رہا،مگر بعد میں بے حس ہو کر عادت ہوگئی۔

سوال : آپ ایک بار حضرت مولانا کے مولوی کہنے کا واقعہ بیان فرما رہے تھے وہ کیا تھا؟

جواب : پھلت میں تھا تو محلّہ کے لوگ خصوصاً کھیتی کرنے والے ملازم سب بھائی صاحب کہتے تھے،ندوہ میں داخلہ سے پہلے ایک بار تکیہ شاہ علم اللہؒ اپنے حضرت والا کی خدمت میں تھا،مسجد سے بنگلہ آیا،حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ تشریف فرما تھے،فرمایا آیئے مولوی کلیم صدیقی صاحب،واپس پھلت آیا جو ملتا وہی کہتا، مولانا صاحب، مولوی صاحب،شروع شروع میں بہت شرمندگی ہوئی منع کرتا رہا مگر کب تک، آخر ہار مان لی،میرے حضرت والا کی زبان مبارک سے نکلا ہوا لفظ اللہ نے سب کی زبانوں پر جاری کر دیا۔

سوال : آپ کی شادی کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے،کس طرح ہوئی تھی؟

جواب : ۱۹۸۰ء میں حضرت والا کی عنایت سے شاہی دعوت کے ساتھ اس حقیر کو حرمین شریفین حج بیت اللہ کے لئے حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، ۱۳/ روز میں واپسی ہوگئی،شاہ خالد سعودی عرب کے فرمانروا تھے، انھوں نے بڑا اکرام فرمایا،اس حقیر نے

شکریہ کا خط لکھا، جلدی واپسی پر اظہار افسوس بھی کیا، اس پر انھوں نے اس حقیر کے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ کا نظم کر دیا، بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ وہاں کے شاہی خاندان میں شادی کی بھی کسی نے خواہش کی، اس دوران میوات کی ایک جماعت جو اپنے امیر کے علیل ہو جانے کی وجہ سے پریشان تھی اس کو لے جا کر چلہ پورا کروانے کے لئے یہ حقیر جھنجھانہ گیا، اور وہاں بس شادی کا پروگرام بن گیا، ایک دین دار خاندان کے مسائل کا ایک عزیزہ نے ذکر کیا، اس حقیر نے کسی کے کام آنے کی نیت سے ارادہ کر لیا، اور الحمد للہ نہایت سادگی سے شادی ہو گئی، محض اللہ کے لئے کسی کام کا اس عاجز بندہ نے ارادہ کیا کریم آقا نے اس لائن کی ہر نعمت سے نوازا، الحمد للہ ایک پاکیزہ صفت مثالی حافظہ، ماہر قاریہ، اور حفظ کی مثالی استاد کو گھر کے کونے کونے اور خاندان کے بچے بچے تک قرآن کے شوق و برکات پیدا ہونے کا اللہ نے ذریعہ بنایا، جو دینی اور دعوتی کاموں میں اللہ کا اس حقیر پر کتنا بڑا احسان ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ۔

سوال: آپ نے ایک دوبار حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے تعلق اور ان کی خدمت میں حاضری کا ذکر فرمایا ہے، کچھ اس کی تفصیل بھی ارشاد ہو؟

جواب: بچپن سے خط و کتابت کا بہت شوق تھا، بلکہ اگر میں کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی چیزوں میں لگا کر اور ان سے نکال کر اپنے نیک بندوں کے قدموں میں لا ڈالا، تو یہ بالکل سچ ہے، شروع میں مشاعروں کو سننے کا شوق تھا، آواز بہت اچھی تھی، پچاس سے زیادہ شعراء کے کلام ان کی آواز اور لہجہ میں پڑھ لیتا تھا، گھر میں کوئی خاص مہمان آتا، رات کو مجھے اٹھایا جاتا کہ مشاعرہ ہوگا اور میں انور جلال پوری، کنور مہندر سنگھ بیدی وغیرہ کے انداز میں مشاعرہ کی نظامت کرتا اور پھر شعراء کا کلام سناتا، بعد

میں شاعری بھی کرنا شروع کر دی، اور افسانے لکھنے شروع کئے، خاتون مشرق، بیسویں صدی میں میرے بہت سے افسانے شائع ہوئے، ڈرامے بھی لکھے، آل انڈیا ریڈیو سے بعض ڈرامے ریلے ہوئے، گانے بھی گائے، بعض میوزک بھی سرسری کوشش سے آ گئے، ہاتھ سے فوٹو بنانے بھی ذرا سی کوشش سے آ گئے، کئی مقابلوں میں صوبائی انعام بھی ملے، اور علامہ شمس نوید عثمانیؒ کی کتاب "کیا ہم مسلمان ہیں؟" نے بہت متأثر کیا، تو تاریخی واقعات کو افسانوی انداز میں لکھنا شروع کیا، جو خصوصیت سے رام پور کے "نور" "بتول" اور "ذکریٰ" رسالوں میں شائع ہوئے، نور میں اس زمانہ میں میرا ایک انٹرویو بھی شائع ہوا تھا بحیثیت قلم کار۔

بزرگوں سے تعلق کا شوق تھا، ایک خط میں نے حضرت شیخ الحدیثؒ کو لکھا، تعارف میں لکھا کہ میری عمر سترہ سال ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حضرت شیخ الحدیثؒ مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے، کسی خادم کو رسید جوابی لکھنے کی ذمہ داری سونپی، تو انھوں نے عمر کا خیال کر کے جوابی خط میں پسند کے مطابق شادی کرنے کا ایک تعویذ بھیج دیا، اس عمر میں بھائی بہنوں میں خط وغیرہ محفوظ کہاں ہوتے؟ میری چھوٹی بہن زینب نے وہ خط کھولا، بس وہ تو مجھے چمٹ گئی، بھائی میاں آپ کس سے شادی کرنا چاہتے ہے؟ آپ کو تعویذ کی کیا ضرورت ہے، آپ مجھے بتایئے میں امی سے کہوں گی، مجھے حد درجہ شرمندگی ہوئی، اب صفائی بھی کیسے پیش کرتا، بہت ہی دل ٹوٹا، اور کافی عرصہ تک میں دوبارہ خط لکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اس کے بعد جب میں میرٹھ کالج سے گریجویشن کر رہا تھا، حضرت شیخ مدینہ منورہ سے سہارن پور تشریف لائے، ہمارے بڑے بہنوئی سید محمد سردار صاحب مرحوم جو

بڑے رحم دل اور متواضع آدمی تھے، انھوں نے کہا: کلیم! حضرت شیخ سہارن پور آئے ہوئے ہیں، چلو ملنے چلتے ہیں، میں نے کہا بہت اچھا، میں نے ایک نیا جوڑا بیل باٹم اور نئے فیشن کی شرٹ بنوائی تھی، وہ نئے کپڑے پہنے، اور بھائی صاحب کے ساتھ عصر سے پہلے ہم لوگ سہارن پور پہنچے نماز عصر کے بعد مظاہر علوم کی مسجد قدیم میں عصر کی نماز پڑھی، عصر کے بعد فوراً مجلس ہوئی، سب لوگوں نے جگہ لے لی، اور ہمیں باہر جوتوں کے پاس کھڑے ہونے کی جگہ ملی، کوئی کتاب پڑھی جا رہی تھی، کتاب کے بعد صحن میں ایک صاحب نے اعلان کیا، کہ جانے والے اس وقت مصافحہ ملالیں اور آنے والے صبح مصافحہ ملائیں گے، بھائی صاحب مرحوم پر حد درجہ تواضع کا غلبہ تھا، وہ بولے میں گناہگار کہاں ایسے بزرگ سے مصافحہ ملانے کے لائق ہوں بس میں تو یہیں سے زیارت کرلوں گا، تم جاؤ مصافحہ ملالو، میں نے بھائی صاحب سے کہا کہ میں جانے والوں میں بھی مصافحہ ملاؤں گا اور آنے والوں میں بھی، لائن لگ گئی، جب میرا نمبر حضرت شیخ سے مصافحہ ملانے کا آیا تو حضرت نے میرا ہاتھ پکڑا اور بہت محبت سے دبایا اور ذرا ہنس کر کڑک آواز میں فرمایا، آ پیارے آج تجھ سے میں مصافحہ ملانے بیٹھا ہوں تو آنے والوں میں بھی ملالے اور جانے والوں میں بھی ملالے، بس آج پیٹ بھر کے مصافحہ ملالے، یہ فرماتے رہے اور مسکراتے رہے، دیر تک میرا ہاتھ دباتے رہے، لائن تقریباً پانچ منٹ یا اس سے بھی زیادہ رکی رہی، مولانا نصیر صاحب جن کو بعد میں میں نے جانا وہ میرا ہاتھ چھڑوانے کے لئے سفارش سی فرماتے رہے، مجھے ان کی سفارش اچھی نہیں لگ رہی تھی، کہ جتنی دیر مصافحہ ملتا رہے اچھا ہے۔

سوال: حضرت شیخ کا آپ سے یہ کہنا کہ آنے والوں میں بھی اور جانے والوں میں

بھی مصافحہ ملاؤں گا، کیا انھوں نے سن لیا تھا؟

جواب: اس وقت تو مجھے ایسا لگا تھا کہ سن لیا، مگر اب سوچتا ہوں کہ اتنی دور سے سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حضرت کو کشف وغیرہ ہوا ہوگا۔

سوال: اس کے بعد کیا ہوا؟

جواب: کچھ دیر کے بعد حضرت نے ہاتھ چھوڑ دیا، اس مصافحہ کی لذت آج تک محسوس کرتا ہوں، عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد بھائی صاحب مرحوم فرمانے لگے، اس وقت کھتولی کے لئے ٹرین ہے، حضرت کی زیارت بھی ہوگئی اور ہمارا مصافحہ بھی، اس لئے چلیں بس ابھی چلتے ہیں، صبح کی ٹرین میں بہت بھیڑ ہوتی ہے، اور ہم چلے آئے، اس کے بعد ایک دو خط میں نے لکھے، جن کا جواب آیا، اس دوران میرٹھ کے ایک قاری صاحب جو پھلت کے رہنے والے تھے، اپنے مقتدیوں اور میرٹھ کے معزز لوگوں کے ساتھ ایک بس میں سہارن پور پہنچے، پھلت سے حضرت کو والہانہ تعلق تھا، پھلت والوں کو فوراً ملاقات کے لئے بلا لیتے، اس لئے فوراً بلالیا، حضرت شیخ نے ان سے فرمایا، کہ پھلت میں تو ہمارا ایک دوست رہتا ہے، انھوں نے معلوم کیا حضرت میں تو ایک زمانے سے میرٹھ میں رہتا ہوں، پھلت میں کون ہے؟ حضرت نے فرمایا کلیم!! وہ میرٹھ واپس آگئے، تو بڑے بھائی محمد علیم صدیقی ایڈوکیٹ جو اس وقت وکالت کرتے تھے، ان سے معلوم کیا، کہ پھلت میں کلیم صاحب کون صاحب ہیں، حضرت شیخ ان کا ذکر کر رہے تھے، بھائی صاحب نے بتایا کہ پھلت میں تو کلیم میرا چھوٹا بھائی ہے جو میرٹھ پڑھنے آتا تھا، انھوں نے کہا وہ لڑکا نہیں کوئی بزرگ آدمی حضرت فرما رہے تھے کہ پھلت میں ہمارا ایک دوست رہتا ہے، حضرت شیخ کے اس مشفقانہ مصافحہ کو یہ حقیر اپنی زندگی کے موڑ کا باعث سمجھتا

ہے، ہمارے یہاں پھلت میں ایک صاحب حافظ عبد اللطیف قاسم پوری مدرسہ میں پڑھاتے تھے، وہ حضرت شیخ سے بہت نوعمری کے زمانے میں بیعت ہوئے تھے، جب حضرت کے یہاں بھیڑ وغیرہ نہیں ہوتی تھی، انھوں نے مدینہ منورہ حضرت شیخ کو خط لکھا، تو جواب میں حضرت شیخ نے ان کو لکھا کہ پھلت میں ہمارا ایک دوست رہتا ہے اس کے پاس ملنے جایا کرو، انھوں نے جواب لکھا پھلت میں تو کلیم نام کا ایک لڑکا رہتا ہے جو کالج میں پڑھتا ہے، حضرت نے پھر اس حقیر سے تعلق کا حکم فرمایا، اس حقیر کو حیرت ہے کہ اس زمانہ میں حقہ اور بیڑی کی بو سے اس حقیر کو حد درجہ متلی آتی تھی، حافظ صاحب نے مجھے خط دکھایا، حضرت نے لکھا تھا کہ اس کو حقہ اور بیڑی کی بو سے بہت تکلیف ہوتی ہے اس کا خیال رکھنا، حافظ صاحب بیڑی اور حقہ کا بہت شوق رکھتے تھے۔

بعد میں شیخ سے تعلق بڑھتا گیا، اس کے بعد مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مدرسہ مظاہر علوم کی خدمت میں جاتا رہا، اور خط و کتابت بھی ہونے لگی، حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہاں حاضری ہوتی تو شروع میں حضرت لوگوں سے تعارف کراتے، یہ حقیر نفسیاتی طور پر کم زور ایک طرح سے احساس کمتری کا شکار رہا ہے، حضرت کے اس طرح نوازنے سے بہت ہی بوجھ سا پڑھتا تھا، حضرت سے میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت حاضری کو دل چاہتا ہے مگر لوگ انگلیاں سی اٹھاتے ہیں تو شرمندگی ہوتی ہے۔ اگر زیارت اور لائن میں لگ کر مصافحہ ملانے پر اکتفا ہو جائے تو بار بار حاضری کی ہمت ہو سکتی ہے، حضرت نے منظور فرمالیا، مگر ایک بار فرمایا: کہ پیارے کام آتا، یہ تعارف کام آتا۔

سوال: حضرت مولانا سے بیعت کا تعلق کس طرح ہوا؟

جواب: یہ حقیر حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی کتابیں پڑھتا تھا، ہمارے چھوٹے بہنوئی سید سعید اختر صاحب نے ایک صاحب سے ایک گھریلو لائبریری خریدی تھی، اس میں حضرت مولانا کی کتابیں ملیں، تاریخ دعوت و عزیمت، سیرت سید احمد شہید، تقویت الایمان، تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی وغیرہ... مگر بحیثیت بزرگ ہمارے علاقہ میں حضرت مولانا کا تعارف نہیں تھا، پھلت حضرت سید احمد شہیدؒ کے واقعات تو گھروں میں بوڑھی عورتیں بچوں کو بطور تبرک سناتی تھیں، ایک روز ایک واقعہ سے دل بہت شکستہ تھا، ''نقوش اقبال'' زیر مطالعہ تھی، ''اقبال در دولت پر'' عنوان کے تحت اقبال کی روضہ اطہر پر دردمندانہ گذارشات اور حضرت مولانا کی دل کی زبان سے اس حقیر کا عجیب حال ہو گیا، اور ایسا لگا یہ حقیر بھی سب کے ساتھ حاضر ہے، اس زمانہ میں حضورﷺ کی زیارت کا شوق حد درجہ غالب تھا، نہ جانے کتنے نسخے اس کے لئے استعمال کئے، پیاس بڑھتی گئی، میرے کریم اللہ کو پیار آیا، اتنے بزرگوں سے تعارف اور قریبی تعلق کے باوجود میرے اللہ نے اس حقیر کو حضرت مولانا کے قدموں میں لے جا ڈالا۔

سوال: یہ بات بڑی حیرت کی ہے کہ یہاں ایسی ایسی بڑی شخصیات علاقہ میں موجود تھیں، سب سے تعلق و تعارف بھی تھا، اور حضرت مولانا کا تعارف بھی نہیں تھا، پھر آپ وہاں کیسے پہنچے؟

جواب: اصل میں ایک خواب میں حضرت مولانا علی میاںؒ کا شہد چاٹنے کا حکم ہمارے نبیﷺ کی طرف سے ملا، میں حضرت مولانا کو حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے نام سے جانتا تھا، مولانا علی میاں کون ہیں، اس کے لئے ہفتوں تڑپتا رہا، بعد میں نعیم بھائی نے بتایا کہ وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی جن کی کتابیں ہیں مولانا علی میاں

ہیں، تو حضرت مولانا کو عریضہ لکھا، حضرت نے بڑی شفقت سے جواب تحریر فرمایا، جواب میں یہ شعر بھی لکھا:

بہر تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقت ناز کچھ جنبش ترے ابرو میں تھی

اور کرایہ کے لئے منی آرڈر بھیجا، الحمد للہ تکیہ میں حاضری اس وقت ہوئی جس روز اندرا گاندھی حضرت سے ملنے کے لئے تکیہ آئی تھیں، بنگلہ کے باہر گاڑیاں ہی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں، حضرت نے تعارف کے بعد گلے لگایا، اور پھر زندگی بھر اس گنوار کو قدموں سے چمٹا لیا، میں سوچتا ہوں سارے بزرگوں کی عقیدت دل میں ہے، حضرت مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ، حضرت قاری صدیق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالحلیم جون پوریؒ، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا افتخارالحسن کاندھلوی مدظلہ العالی، حضرت مولانا مکرم حسین سنسارپوری مدظلہ العالی وغیرہ سبھی بزرگوں سے عقیدت کا، خاص حد تک حاضری، مکاتبت کا تعلق رہا، مگر میرے اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے کہ اپنی طرف سے اتری ہوئی بندوں کی ہدایت کو اس سیاہ کار کے حصہ میں کچھ دینا تھا، اس لئے حضرت مولانا کے قدموں سے وابستہ فرمادیا، کیسی مبارک گھڑی تھی، جب میرے اللہ نے ایک نااہل بندے پر کرم فرمایا۔

سوال: حضرت مولانا سے آپ بیعت کس سن میں ہوئے اور اجازت کب عطا فرمائی؟ اور حضرت شیخ سے بھی بیعت کے لئے آپ نے درخواست کی تھی، حضرت نے اجازت دی، اس کا واقعہ کیا ہے؟

جواب: اصل میں اجازت بزرگوں کی طرف سے تین طرح کی ہوتی ہے، ایک تو کسی

پر اعتماد کر کے، اس کو اہل سمجھ کر بندگانِ خدا کی اصلاح و تربیت کے لئے اجازت ہوتی ہے، یہ اجازت اصل ہے، یہ تو بہت خاص اور اہل لوگوں کو ملتی ہے، دوسری کسی خاص علاقہ کی پس ماندگی دیکھ کر اس علاقہ میں کام کرنے کے لئے، نسبتاً دین سے جڑے کسی آدمی کو شیخ اجازت دے کر دعوت و اصلاح کے لئے لگا دیتے ہیں، اور تیسری اجازت ہوتی ہے ہم جیسے لوگوں کی، کہ اجازت کے نام پر گناہوں سے بچا رہے گا، چلو اپنے کو مجاز وخلیفہ سمجھ کر ہی برائی سے بچ جائے گا، آپ نے سنا ہوگا حضرت گنگوہیؒ نے ایک بنگالی کو حدیث کی سند دی، سند عربی میں لکھ کر دی، اس میں اس کے نام کے ساتھ بنگالی کو عربی میں بنجالی لکھا، بنجالی بنگالی میں کوئی گالی ہوتی ہے، اس کے ساتھی نے طالب علمانہ شرارت میں اسے بتایا کہ حضرت نے تجھے گالی لکھی ہے، وہ طالب علم حضرت پر بہت ناراض ہوا، آپ نے ہمیں گالی لکھ دی، حضرت نے اسے سمجھایا کہ عربی میں بنگالی لکھا ہے، وہ چلا گیا تو حضرت مولانا یحییٰؒ نے عرض کیا کہ ایسے بے وقوف کو محدث ہونے کی سند آپ نے عنایت فرمادی، حضرت نے فرمایا یہ خود کو مولوی سمجھ کر مسجد میں پڑا رہے گا، ورنہ چور ڈاکو بن کر دین والوں کو بدنام کرتا، بس میرے حضرت نے بھی شاید اسی لئے حکم فرمادیا تھا، کہ کچھ تو اس نسبت کی لاج رکھے گا۔

سوال: پھر بھی، آپ نے شیخ الحدیثؒ سے بھی بیعت کی درخواست کی تھی؟

جواب: بات اصل میں یہ ہے کہ وہ خواب دیکھ کر میں بہت بے چین تھا، میں جلال آباد حضرت کے یہاں مجلس میں جایا کرتا تھا میں نے جا کر پہلے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحبؒ سے بیعت کی درخواست کی تھی، حضرت نے فرمایا، کہ بیعت آپ حضرت مولانا علی میاں سے ہونا، جلال آباد سے خیال ہوا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ مدینہ منورہ جانے

والے ہیں، چلو سہارن پور حضرت کی خدمت میں چلیں، جس وقت ہم پہنچے ملاقاتیں بند ہو چکی تھیں، خدام نے ملاقات سے منع کر دیا، اس حقیر نے کم ظرفی میں اپنا حق جتایا کہ حضرت سے کہہ تو دو کہ پھلت سے کلیم آیا ہے، حضرت شیخ نے گھر میں بلایا، بڑی شفقت سے چھیل کر کیلا اپنے دست مبارک سے مجھے دیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے، حضرت نے فرمایا پیارے بیعت تو تم مولانا علی میاں سے ہونا اور اجازت میں دیتا ہوں، حضرت مولانا محمد ثانی حسنیؒ حضرت کے پاس تشریف رکھتے تھے، حضرت نے فرمایا دیکھو ثانی کوئی بیعت ہونا چاہے تو کلیم سے بیعت ہو جائے، یہ حقیر پہلے ہی احساس کم تری میں تھا، خیال ہوا کہ بیعت کو کہنے کا کوئی ادب ہوگا، کوئی خاص طریقہ ہوگا، میرے گنوار پن پر حضرت میرا مذاق اڑا رہے ہیں، میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، حضرت جب ہمیں آداب آتے نہیں تو آپ سے کس طرح کہیں؟ حضرت نے فرمایا نہیں پیارے تمھارے بھلے کے لئے کہہ رہا ہوں، بیعت تم علی میاں سے ہونا، اجازت میں دیتا ہوں۔

سوال: کیا آپ نے انھیں اپنا خواب سنا دیا تھا،؟

جواب: نہیں، یہ ہی تو حیرت ہوئی کہ دونوں بزرگوں نے کہاں سے یہ بات کہی کہ بیعت تو تم مولانا علی میاں سے ہونا۔

سوال: اس کے بعد کیا ہوا؟

جواب: یہ ۱۹۷۷ء کی بات ہے، اس کے بعد ماموں سید نعمد عارف مجھے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبکی خدمت میں لے گئے، حضرت سے بہت ہی مبارک یادگار ملاقات ہوئی، اس ملاقات کی بعض باتوں کی برکات یہ حقیر پوری زندگی میں محسوس کرتا ہے

اور حیرت کرتا ہے۔

سوال: اس کے بعد حضرت مولانا کی خدمت میں بیعت وغیرہ کس طرح ہوئے؟

جواب: میں تکیہ حاضر ہوا، حضرت والا نے بہت شفقت سے ملاقات فرمائی، حضرت مولانا محمد ثانی صاحب سے تعارف کرایا یہ ہیں کلیم میاں، جن کا ہم ذکر کر رہے تھے، حضرت مولانا ثانی صاحب نے حضرت سے بتایا کہ ان سے ابھی چند روز پہلے حضرت شیخ کے یہاں ملاقات ہو چکی ہے، اور مجھ سے فرمایا کہ آپ ہی تھے وہ جن کو کچے گھر میں حضرت نے بلایا تھا، میں نے سر ہلایا، حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے تکیہ کی مسجد میں بیعت فرما لیا، عصر کے بعد مجلس میں بڑی امید افزا باتیں فرمائیں، اور فرمایا کہ اللہ کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں، بس اللہ نے نبوت کا دروازہ بھی حکمتاً بند کیا ہے، ورنہ قطبیت، ولایت، معرفت اور محبوبیت کا کوئی دروازہ بند نہیں کیا، بس بندہ اس کے لئے کوشش کرے اور اللہ کے حضور مجسم سوال بنا رہے، اور یہ آیت شریفہ پڑھی:

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا. اور اس کا ترجمہ حضرت نے فرمایا، کہ آپ کے رب کی عطا میں کوئی راشننگ نہیں ہے، اس کے بعد ندوہ میں داخلہ ہو گیا، گنوار دیہاتی تھا کچھ کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، خصوصاً اکابرین دیوبند اور خانوادہ ولی اللہی کے حالات خوب پڑھے تھے یاد اشت اچھی تھی، حضرت والا کچھ فرماتے تھے، ہر بات میں میں بولتا تھا، لوگ دیکھتے کہ کون بدتمیز لڑکا ہے کہ ہر بات میں لقمہ دیتا ہے مگر اپنے حضرت والا کی شفقت کے قربان کبھی نہ خاموش کرتے، نہ ٹوکتے بلکہ حوصلہ افزائی فرماتے، بعض جملے جو اپنے تجاہل میں اپنے کو جاننے والا سمجھ کر اس حقیر نے حضرت کے سامنے کہے تو یاد کر کے

کہیں منہ چھپانے کو دل چاہتا ہے، بعد میں حضرت والا کے قدموں میں رہ کر حضرت والا کا کچھ تعارف سا ہوا، تو یہ حال ہوگیا کہ ہفتوں ہفتوں حاضری رہتی مگر دو سلاموں کے علاوہ جو حاضری اور رخصتی کے وقت ہوتے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

سوال: حضرت نے آپ کو اجازت کب دی؟

جواب: بار بار اجازت کا ذکر ہی شرمندگی کا باعث ہے، اصل میں مارچ کی ۲۷ر تاریخ میں حضرت سے بیعت ہوا اور اسی سال ۱۲ر اگست کو حضرت والا نے مسجد میں نماز فجر سے پہلے طلب فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کے بھروسہ پر تم سے ایک بات کہتے ہیں، کوئی اللہ کا بندہ تم سے ہمارے سلسلہ میں بیعت کے لئے کہے تو بیعت کرلیا کرو، ہم تمھیں اجازت دیتے ہیں۔

یہ حقیر بڑے ارمانوں سے بیعت ہوا تھا خیال تھا کہ اس طرح نیک ہو جائے گا، صحابہ کی سی نمازیں جس طرح سید احمد شہیدؒ سے تعلق کے بعد لوگوں کو نصیب ہوئی تھیں ہمیں بھی پڑھنا آجائے گی، رزائل سے پاک ہو جائیں گے، حضرت کے اس فرمانے سے بجلی سی گری، اور دل میں خیال آیا، جس طرح کسی لا علاج مریض سے مایوس ہو کر ڈاکٹر یہ کہہ دیتا ہے کہ اب آپ آزاد ہو سب کچھ کھاؤ علاج کی ضرورت نہیں، اس طرح حضرت نے مایوس ہو کر کیس ریفر کردیا ہے، بہت صدمہ ہوا اور میں حضرت کے قدموں سے چمٹ گیا اور خوب رویا، حضرت ایسے مت فرمائیے، حضرت ایسے مت فرمائیے، یہاں سے مایوس جاؤں گا تو کہاں میری اصلاح ہو سکتی ہے، حضرت والا نے تسلی دی، مگر وہ گھڑیاں مجھ پر بہت سخت گذریں، تین روز تکیہ پر رہا، طرح طرح کے خیال ذہن میں آتے رہے، حضرت والا کو احساس ہوگیا، حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد احمد کے پاس جاتے ہو، میں نے کہا حضرت جاتا تو ہوں، حضرت نے فرمایا جانا

چاہیئے ہمارے بزرگ ہیں، میں نے اپنے حال کو بے تکلف عرض کرنے کی نیت سے الہ آباد کا سفر کیا، کہ حضرت سے حضرت والا کے لئے ایک سفارشی خط لکھواؤں گا، حضرت الہ آباد میں نہیں تھے، پرتاپ گڑھ میں تھے، پرتاب گڑھ گیا، وہاں سے بھی دو روز پہلے جا چکے تھے، رانی گنج ایک قصبہ ہے، وہاں کی خبر تھی، وہاں سے بھی اپنے اصل وطن ایک روز پہلے پھول پور جا چکے تھے، مغرب کے بعد کا وقت، برسات کا موسم، سواری کا کوئی نظم نہیں ......مگر قدم یہ خود نہیں اٹھتے اٹھائے جاتے ہیں..... پیدل پگڈنڈیوں سے ہوتا ہوا عشاء کے وقت پھول پور پہنچا، حضرت ضعف اور علالت کی وجہ سے گھر پر نماز پڑھ رہے تھے، مسجد میں مؤذن سے معلوم کرکے حضرت کے گھر پر پہنچا، حضرت کو جیسے پہلے سے خبر ہو، حضرت اس طرح الہ آباد، پرتاپ گڑھ، رانی گنج اور پیدل پھول پور کے سفر سے بہت خوش ہوئے، بعد میں خطوط میں بھی اس کا محبت اور بڑی شفقت سے ذکر فرمایا، اور کس قدر عنایت اور کرم کا معاملہ فرمایا بس بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تکیہ اور حضرت مولاناؒ کا نام ہی حضرت کے لئے مزے کی چیز تھا، پھر گرمی میں ذرا مشقت کے سفر نے اور بھی حضرت پر مامتا غالب کردی، کھانے اور نماز وغیرہ کے بعد جلدی حضرت نے آرام کا حکم دیا، اور صبح بات کرنے کو کہا۔

سوال: اس سفر میں حضرت نے بھی آپ کو اجازت دی تھی؟

جواب: بس اجازت کیا میں عرض کررہا ہوں، چھپر کا حضرت کا گھر تھا، اس میں بہت سادہ سا تخت پڑا تھا، میں نے حضرت سے اپنی بیعت کی تفصیل عرض کی، اور بتایا کہ اصلاح کی بڑی امید سے حضرت سے وابستہ ہوا تھا مگر حضرت نے مایوس ہو کر مسجد میں بلا کر یہ بات فرمائی، حضرت مولانا محمد احمدؒ نے فرمایا بزرگوں کے فیصلے تائید غیبی کے ساتھ

ہوتے ہیں، پھر فرمایا حضرت علی میاں کو لوگ جانتے نہیں ہیں، کچھ دیر بعد فرمایا اپنے محبوب کو سب چھپاتے ہیں، علی میاں کو ان کے علم کے پردہ میں چھپایا گیا ہے، کچھ توقف کے بعد فرمایا اگر وہ اپنے آپ کو ظاہر کردیں تو پیروں کو مرید نہ ملیں، اس حقیر نے اپنے حال اور مایوسی کا ذکر کیا تو فرمایا کہ 'اچھا کتنی گواہی کسی سلسلہ میں معتبر ہوتی ہیں، میں نے عرض کیا عام حالات میں دو، اور بعض حالات میں چار، حضرت نے فرمایا میری رائے معتبر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اگر آپ کی رائے معتبر نہیں تو پھر کسی کی گواہی معتبر نہیں، حضرت نے فرمایا میں بھی آپ کو اجازت دیتا ہوں، کوئی اللہ کا بندہ آپ کے یہاں آئے تو ہمارے سلسلہ میں بیعت کرلیا کرو، حضرت سے یہ بات سن کر یہ حقیر حد درجہ مایوس ہوا، پھلت تک نہ جانے کیا خیال آتے رہے، عمر میاں انسان اپنے معیار سے سوچتا ہے، چھوٹا آدمی سوچ بھی چھوٹی ہوتی ہے، بار بار یہ خیال آتا، ہمارے علاقہ میں ہمارے حضرت کا تعارف بھی بہت کم ہے، اگر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ کلیم حضرت مولانا کا مجاز ہے، تو لوگوں کے دلوں میں میرے حضرت کی کیسی قدر گھٹے گی، کہ مولانا علی میاں کے خلیفہ ایسے ہوتے ہیں، بہت سوچا تو پھر پروگرام بنایا کہ حاجی عبدالرزاق صاحب اور شرافت خاں صاحب کے علاوہ تو کسی کو خبر نہیں، ان دونوں کے پاؤں پکڑ کر عہد کرالوں گا کہ کسی کو خبر نہ کریں، کم از کم ہمارے حضرت تو بدنامی سے بچ جائیں گے، اس طرح کے احساسات کے ساتھ پھلت پہنچا، بڑی باجی جنھوں نے مجھے پالا ہے، عشاء کے بعد میرے پاس آئیں اور بولیں، کلیم میں مرید ہونا چاہتی ہوں، میں نے کہا باجی آپ حضرت کی خدمت میں خط لکھ دیں اور خط کے ذریعہ سے بیعت ہوجانا اور پھر کسی وقت تجدید کرلینا، وہ بولیں نہیں، میں تو تم سے مرید ہوں گی، میں نے حیرت بھی کی اور ان

کا مذاق سا بنایا کہ بزرگوں سے مرید ہوتے ہیں، کسی کے سامنے مت کہہ دینا لوگ مذاق اڑائیں گے، کلیم کی بہن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ مرید کس سے ہوا جاتا ہے، وہ ضد کرنے لگیں، مجھے بہت حیرت بھی ہوئی۔

بہت زیادہ پریشان ہوا تو پوری کیفیت اور سفر کی روداد حضرت والا کو لکھی، حضرت کا جواب آیا، جس میں اس شعر کے ساتھ کہ:

دادِ او را قابلیت شرط نیست　　　بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

تحریر فرمایا تھا کہ ہم تو اپنے شیخ کے اتباع میں آنے والے لوگوں کو اس لئے بیعت کرلیتے ہیں کہ شاید اس آنے والے کا دست گرفتہ ہونا ہمارے لئے باعث نجات بن جائے۔ تم بھی اس خیال کے ساتھ بیعت کرلیا کرو، کچھ تو اطمینان ہوا، مگر درمیان میں وساوس آتے رہے، کوئی صاحب مدینہ منورہ جارہے تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ کو مفصل خط لکھا اور اپنی بدحالی کے لئے دعا کی درخواست کی، تو حضرت نے جواب لکھا کہ یہ ناکارہ تو پہلے ہی تمھیں اجازت دے چکا ہے، شاید تمھیں اپنے حال کی وجہ سے یہ پریشانی ہو رہی ہے، اس کے لئے یہ سمجھنا کافی ہے کہ یہ طب کی سند ہے نہ کہ صحت کی، اپنا بھی علاج کرو دوسروں کا بھی، حضرت کے اس جملہ سے بہت اطمینان ہوا، پھر جب بہت سے منکرات سے اس اجازت کی لاج سے رکنے کی توفیق ہوئی تو سمجھ میں آیا کہ اس اجازت میں کیا مصلحت تھی، اور یہ اجازت گناہ سے بچانے کے لئے تیسرے درجہ کی اجازت ہی ہوگی۔

سوال: اس کے علاوہ مدینہ اور شام کے دو مشائخ نے جو آپ کو اجازت دی ہے، وہ کون ہیں؟

جواب: بھائی یہ بات ہوئی تھی کہ دعوت کے سلسلہ میں باتیں ہوں گی، یہ اجازت

اجازت کب تک رٹ لگاؤ گے۔

سوال: غلط معلومات سے اچھا ہے کہ صحیح معلومات محفوظ ہو جائیں؟

جواب: اچھا تو یہ تم محفوظ بھی کرو گے۔

سوال: ابھی اپنے پاس محفوظ رہے گی، کسی وقت کام آجائے گی، وہ دو لوگ کون تھے؟

جواب: ان میں سے ایک شیخ احمد مجتبیٰ علوی مالکی قادری، جو شیخ علوی مالکی کے عزیز تھے، یہ اصل میں شیخ ابو طاہر کردی مدنی کے شاگرد و خلیفہ شیخ محسن مقبل علوی، شریک درس حضرت شاہ ولی اللہؒ کی چھٹی پشت میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے، جنھوں نے سلسلہ کی اجازت ایک خاندانی عمامہ جس کے بارے میں بہت سی خبریں مشہور ہیں مجھے عنایت فرمایا تھا، وہ عمامہ شیخ علوی مالکی نے اس کی مشہور برکات کی وجہ سے مجھ سے چند روز کے لئے لیا تھا، میں نے مستقل ان کو ہدیہ کر دیا تھا کہ وہ وہی اس کے زیادہ اہل ہیں۔

دوسرے صاحب حزب البحر شیخ ابو الحسن شاذلی کے سلسلہ کی اجازت شامی بزرگ شیخ صالح حمودی شاذلی نے سلسلہ شاذلیہ میں حرم شریف کے رکن یمانی کے سامنے مطاف میں دی تھی، مگر یہ سب وہی تیسرے نمبر کی اجازت و خلافت تھیں۔

سوال: حضرت مولانا سے آپ نے استفادہ کیا اس کے سلسلہ میں کوئی خاص بات فرمائیں؟

جواب: اس کے لئے محبت اور مناسبت دو چیزیں ضروری ہیں، میرے اللہ نے مجھے دونوں چیزوں سے نوازا، محبت کا تو یہ حال تھا کہ ایک خط میں حضرت کے یہاں لکھ کر رکھ کر آتا، اور پھر آتے ہی خط لکھتا، ۲۳ رسالہ تعلق میں ایک تہائی وقت اس حقیر کا حضرت کی خدمت میں آنے جانے میں ضرور گذرا ہوگا۔ چار سو بتیس خطوط حضرت والا کے الحمد للہ

میرے پاس ہیں اس کے باوجود بھی یاد میں بے قرار رہتا تھا، مناسبت کا یہ حال تھا کہ حضرت کی طرف سے عام اصول اصلاح کے خلاف مختلف بزرگوں کے یہاں جانے کا حکم ہوتا تھا، کسی بھی اللہ والے کے یہاں حاضر ہوتا تو اس بزرگ کی عقیدت کم ہونے کے بجائے کچھ نہ کچھ بڑھتی تھی، مگر ساتھ ساتھ زبان حال سے یہ کہتا ہوا نکلتا:

آفاقہا گردیدہ ام، مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت والا کی صحبت بابرکت سے جو چیز اس حقیر کو ملی وہ اپنی ناکارگی کا احساس، بعض مرتبہ تو حد درجہ یہ احساس مغلوب کر دیتا تھا کہ حضرت والا اکثر خطوط میں تحریر فرماتے، زبانی بھی فرماتے، تمھارے حالات پڑھ کر اپنے حال پر شرمندگی ہوتی ہے، اللہ نے کیسے احوال سے نوازا ہے، مگر اس طرح کے جملوں کو پڑھ کر حد درجہ شرمندگی ہوتی، کہ اس مقام اور منصب پر فائز ہو کر یہ شیخ العرب والعجم اپنے کو کیا سمجھتے ہیں اور ہماری کیا حیثیت ہے، اور شرم سے پانی پانی ہونے کو جی چاہتا، محسنین کے لئے جذبہ احسان مندی سیکھنے کی حسرت بھی دل میں بہت بڑھی۔

سوال: حضرت شیخ نے آپ کو پھلت کے مدرسہ کی خدمت پر بھی لگایا تھا؟

جواب: ہاں اصل میں شیخ الحدیثؒ کو پھلت سے بہت گہرا تعلق تھا، حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے صاحب زادے حضرت مولانا احترام الحسن پھلت میں رہتے تھے، حضرت بہت خوش تھے، مگر بعض عوارض کی وجہ سے وہ یہاں سے چلے گئے، تو یہ شیخ فرمایا کرتے تھے، احترام تو نے اچھا نہیں کیا، پھلت سے مجھے بڑی امیدیں ہیں، اور بعد میں میری حاضری ہونا شروع ہوئی، دار العلوم دیوبند میں صد سالہ کے بعد انتشار ہوا، میں

اپنے حضرت والا سے ملنے مجلس شوریٰ کے موقع پر دیو بند حاضر ہوتا تھا، چونکہ اس حقیر کے ذہن میں تھا کہ علماء تو معصوم ہوتے ہیں، انتشار، ایک دوسرے سے اختلاف اور پھر مخالفت کی بات سامنے آتی تو حددرجہ حیرت اور افسوس ہوتا تھا، ان حالات میں اپنے حضرت والا کو ماہی بے آب کی طرح تڑپتا دیکھتا تھا، میں نے ایک مرتبہ شیخ سے عرض کیا، شیخ نے فرمایا کہ جڑ کو بینچو، میں نے عرض کیا کہ حضرت سمجھ میں نہیں آیا، فرمایا جڑ تو پھلت ہے یہ تو سب شاخیں ہیں، اس طرح کئی بار ہوا، ایک بار حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ نے بھی ہدایت فرمائی، اس حقیر نے مدرسہ کے لئے کوشش شروع کی مگر جب دارالعلوم کا انتشار حددرجہ بڑھا تو اس حقیر کو خیال آیا کہ ایسے مخلص اور اولیاء کے قائم کردہ ادارے میں اتنے فتنے ہیں، مجھ جیسا ظاہر و باطن کا کالا کوئی کام کرے گا تو اس میں شر کے علاوہ کچھ ہوگا ہی نہیں، اس لئے شیخ کو مدینہ منورہ فروری میں معذرت کا خط لکھا، شیخ نے فوراً جواب دیا، جس میں یہ بھی لکھا، فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں بندہ تو سعی کر کے اجر کا مستحق ہوتا ہے، عمر کی ان آخری گھڑیوں میں جب بالکل پابرکاب ہوں اپنے اکابر بزرگوں کی محبت دل میں زیادہ ہی ہوتی جارہی ہے، اور اکابرین پھلت تو گویا اس گروہ کے سرخیل تھے، دلی تمنا ہے کہ قریۃ الصالحین کی علمی مرکز کی حیثیت بحال ہو، اس سلسلہ میں رب کریم سے بڑی امیدیں ہیں..... یہ ناکارہ تو یہاں تک سمجھتا ہے کہ اس مبارک بستی کی اس دینی خدمت میں کوئی غیر مسلم بھی سعی کریگا تو انشاء اللہ محروم نہیں رہے گا۔........اس خط کے باوجود احساس کم تری کی وجہ سے یہ حقیر ہمت نہ کرسکا لیکن جب اسی سال اپریل میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو اس حقیر کو حددرجہ صدمہ تھا، یاد بہت آتی تھی، حضرت کے خطوط تلاش کئے پڑھے، اور خط کو پڑھ کر

بلک گیا اور پھر مدرسے کے لئے کوشش شروع کی، ہمارے حضرت بہت خوش ہوئے، اور بہت ہی حوصلہ افزائی فرمائی، اور مدرسہ کا نام بھی بدل کر جامعۃ الامام ولی اللہ رکھا گیا، جس کا ایک شعبہ فیض الاسلام کے نام سے حضرت گنگوہیؒ کے نام رکھنے کی وجہ سے باقی رکھا۔

سوال: دعوت کے سلسلہ میں کام کی شروعات کس طرح ہوئی؟ پہلے ایک زمانہ تک ارتداد زدہ علاقہ میں آپ نے کام کیا پھر کس طرح عام غیر مسلموں میں آپ نے کام شروع کیا؟

جواب: اب تم صحیح موضوع پر آئے ہو، میرے حضرت والا کو کسی طرح خبر ہوئی کہ سونی پت کے قریب تقسیم ملک اور تبادلہ آبادی کے وقت فسادات سے متاثر ہوکر خاصے لوگ مرتد ہوگئے تھے، حضرت والا نے کام کرنے والوں کا تعاون بھی کیا، اور مجھے حکم فرمایا کہ صحیح صورت حال معلوم کرو، سونی پت ہم سے قریب تھا ہم نے کچھ رفقاء کو لے کر سفر کیا، دل و دماغ مندروں اور گرودواروں، اور جانوروں کی رہائش گاہوں میں بدلی ہوئی مسجدوں کو دیکھ کر نیم پاگل ہوگیا، حضرت سے صورت حال عرض کی، حضرت نے کام کا حکم فرمایا، دوسال تک ہم لوگ سروے کرتے رہے اور کوشش کرتے رہے، ۹۰ء میں ایڈوانی جی کی رتھ یاترا کے دوران ہمارے دوساتھی ماسٹر ضیاء الدین بجنوری اور حافظ نسیم دیناج پوری کو علاقہ کے ایک بڑے ڈاکوؤں کے سردار نے ایک مسجد میں شہید کردیا، اور دریا میں ڈال دیا، بعد میں ان چار قاتلوں میں سے تین لوگ گویا خواب میں جناب ضیاء الدین کی دعوت پر مشرف باسلام ہوئے، ان دونوں کی شہادت کے بعد الحمد للہ ارتداد سے متاثر علاقہ میں فتوحات کے دروازے کھلے، میرے حضرت

والا اس علاقہ میں کام کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے، دو مرتبہ فرمایا کہ سونی پت میں جنت اور اللہ کی رضا بڑے سستے داموں مل رہی ہے، بے حد دعائیں فرماتے، اللہ نے ہریانہ پھر پنجاب، راجستھان، متھرا، آگرہ، دہلی اور ہماچل وغیرہ میں کام کی شکلیں بنائیں، اسکول کے نام پر مدارس قائم کرنا، اس علاقہ میں کام کے لئے سب سے مناسب راستہ تھا، اللہ کا شکر ہے کہ بستیاں کی بستیاں تائب ہوکر میرے حضرت والا کی برکت سے واپس اسلام میں آئیں، اصل میں جب شروع میں حضرت نے مجھے حکم دیا تھا تو میں خود حیرت میں تھا، مجھ جیسے گنوار کو ایسا حکم کیوں دے رہے ہیں، مگر حضرت رائے پوریؒ کا ایک ملفوظ سنا تھا کہ ارادت کا مزافٹ بال بن جانے میں ہے، اس ملفوظ نے رہنمائی کی اور ہمت بندھائی، اور پھر فٹ بال بن جانے کی برکات کھلی آنکھوں دیکھنے کو ملیں۔

سوال: غیر مسلموں میں دعوت کا کام کس طرح شروع کیا؟ اور اس کام میں کس طرح اللہ نے لگایا؟

جواب: اصل میں اس کام میں لگنے کے دو اسباب ہیں، ایک ظاہری سبب اور ایک حقیقی سبب، حقیقی سبب تو یہ ہے کہ میرے حضرت والا کی والدہ ماجدہ حضرت خیر النساء بہتر صاحبہ ایک بڑی مستجاب الدعوات ولیہ خاتون تھیں، انھوں نے میرے حضرت والا کے لئے بہت دعائیں مانگیں، جس میں یہ دعا سب سے زیادہ مانگی کہ علی تمھارے ہاتھوں پر جوق در جوق لوگ اسلام قبول کریں، یہ دعا حضرت کے لئے قبول ہوئی، اور یہ بیک واسطہ اس حقیر کے حصہ میں آئی، میرے حضرت والا نے چھ سات خطوط میں اس حقیر کو لکھا بھی، دو بار زبانی بھی فرمایا، ایک بار بوانہ دہلی میں چار ہزار میراثی مرتد مردوں، عورتوں نے رات کے ایک بجے اجتماعی طور پر ارتداد سے توبہ کرکے تجدید ایمان کی تھی، اور ڈھائی

بجے رات تک نام بدلوانے آئے، یہ حقیر بہت خوش تھا، اس بڑی تعداد میں تجدید ایمان کا یہ پہلا موقع تھا، خواب دیکھا کہ حضرت کی والدہ ماجدہ ایک تخت پر تشریف فرما ہیں، جیسے کوئی ملکہ تاج پہنے ہوئے ہو، اس حقیر نے سر پر ہاتھ رکھنے اور دعا کی درخواست کی، تو کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، کیا سمجھتے ہو یہ سب دعوتی فتوحات میری دعا کی قبولیت ہیں، اس حقیر نے خواب حضرت والا کو لکھا، تو حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا، ہماری والدہ ماجدہ ہمارے لئے سب سے زیادہ یہ دعا کرتی تھیں کہ علی میاں تمھارے ہاتھوں پر لوگ جوق در جوق اسلام قبول کریں، یہ دعا الحمد للہ بیک واسطہ تمھارے لئے قبول ہوئی ہے، اس حقیر کا تجربہ ہے کہ کئی حضرات دعوت سیکھنے اور جڑنے کے لئے آئے، کئی لوگ تو سالوں رہے، مگر کوئی آدمی ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام نہیں ہوا، بلکہ بعض لوگوں کے ساتھ تو یہ بھی ہوا کہ لوگ از خود اسلام قبول کرنے آئے، مگر انھوں نے کلمہ نہیں پڑھایا۔ اور حضرت مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوئے، تو لوگ مشرف باسلام ہونے لگے، تو اصل وجہ اس کام کی میرے حضرت والا اور حضرت کی والدہ ماجدہ کی دعائیں ہیں، میرے حضرت والا نے بھی اس حقیر کے لئے بہت دعائیں کی ہیں، ایک سال پورے رمضان اجتماعی دعاؤں میں نام لے کر دعائیں کیں، اور حضرت فرماتے تھے کہ بلا ناغہ وظیفہ سمجھ کر نام لے کر تمھارے لئے دعا کرتا ہوں۔

دوسرے کام سے لگنے کا ایک ظاہری سبب بھی ہوا ہے، یوں تو جس لائن میں جانا ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ آثار پہلے سے آنے لگتے ہیں، بچپن سے لے کر کئی لوگ، ایک کمہار کا لڑکا، ایک کلاس فیلو ارم اور چند اور لوگ ایسے ہیں اس حقیر کو ذریعہ بنا کر مسلمان ہوئے، مگر اس کام کی طرف توجہ کا ذریعہ اس حقیر کی بچی اسماء ہوئی، اور اس واقعہ کو میرے

حضرت والا نے بھی کئی بار تقریروں میں بیان کیا۔

ہوا یہ کہ ۳۰/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو جب اڈوانی کی رتھ یاترا رام مندر کی تحریک چل رہی تھی چاروں طرف دردناک فسادات ہونے شروع ہوگئے، ستمبر کے مہینہ میں ہمارے یہاں ایک صفائی کرنے والی آتی تھی، بالا اس کا نام ہے، صاف ستھری رہتی ہے، بچے اس سے مانوس رہتے ہیں، میں ایک کمرے میں کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا، میری بچی جس کی عمر اس وقت آٹھ سال رہی ہوگی، وہ اس گیلری میں جہاں وہ بارش کی وجہ سے کچرے کا ٹوکرا رکھ کر بارش کے رکنے کا انتظار کر رہی تھی، اس سے رازدارانہ انداز میں بات کرنے لگی، مجھے خیال ہوا کہ ماحول خراب ہے نہ جانے کیا بات کہہ دے، اور یہ کیا لگا دے، میں سننے لگا، اسماء نے بالا سے کہا: بالا تم کتنی اچھی ہو، اور اچھی ہو جاؤ نا، بالا نے کہا: کس طرح سے؟ اسماء نے کہا: بالا تم کس کی پوجا کرتی ہو؟ اس نے کہا بھگوان کی مورتی کی، اسماء نے کہا: بالا یہ مورتی تمھیں کچھ دے دیگی کیا؟ یا نفع ونقصان پہنچا دے گی، مجھے تو یہ ڈر ہے کہ بالا تم ہندو رہ کر مرگئی تو تم دوزخ میں جلوگی، بالا تم کس طرح دوزخ کی آگ برداشت کروگی، میں تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ایسی چھوٹی بچی قرآنی انداز میں اس کو دعوت دے سکتی ہے، میں بے اختیار باہر نکل آیا، بالا مجھے دیکھ کر چلی گئی، میں نے دیکھا اسماء کی آنکھوں میں آنسو ہیں، میں نے محبت سے اس سے سوال کیا، اسماء بالا سے تم کیا بات کر رہی تھیں، وہ بولی یہ کتنی اچھی ہے، بالا ہم سے کتنی محبت کرتی ہے، یہ دوزخ میں جلے گی، ابی جی کتنی تکلیف ہوگی، یہ کہہ کر میرے سینہ سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی، قرآن مجید ایک زمانے سے پڑھتا تھا، فوراً جیسے کسی نے اندر سے کہا ہو:

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ○ (سورہ الشعراء، آیت ۳)

ترجمہ: شاید آپ خود کو ہلاک کرلیں گے اس غم میں کہ یہ لوگ مومن کیوں نہیں ہوتے پوری سیرت پاک ایک ویڈیو کی طرح دل ودماغ کے سامنے آگئی، کہ ہم صرف جوتا داہنے پاؤں میں پہن کر، میٹھا اور کدو کھا کر متبع سنت ہونے کا دعوی کرتے ہیں، اصل سنت تو یہ نبوی درد ہے، جو ایک لمحہ پیارے نبی سے وصال تک غائب نہیں ہوا اس کے بغیر کیسے ہم رسول اللہ ﷺ کے پیرو ہو سکتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا ایک ملفوظ بارہا پڑھا تھا یاد آیا، حضرت تھانوی راوی ہیں کہ حضرات علماء کی موجودگی میں ایک بار فرمایا: بھائیو قطب بننا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا ضرور، حضرت نے فرمایا قطب بننے کا ایک آسان نسخہ بتاتا ہوں، جب کوئی غیر مسلم مرجایا کرے تو تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر رو لیا کرو، کہ ہمارا بھائی ہمیشہ کی دوزخ میں چلا گیا ہم نے کچھ فکر نہ کی، قطب بن جاؤگے۔ خیال ہوا کہ قطبیت وراثت نبوت ہے، وارث نبی وہ ہو سکتا ہے جو وارث درد نبی ہو، دل ودماغ پر سکتہ طاری ہوگیا، اگلے روز ہریانہ سونی پت جانا تھا، ایک نوجوان بہت محبت کرتا تھا، فوراً آگیا، ایک پجاری کا بیٹا راج کمار میں نے اس سے کہا بیٹا راج کمار، تم اتنی محبت کرتے ہو، یہ محبت کچھ کام نہیں آئے گی، جب تک کلمہ نہ پڑھ لو، آٹھ نو منٹ اسے اسلام وایمان بتایا، وہ کلمہ پڑھنے کے لئے تیار ہوگیا، اور کلمہ پڑھ لیا، ایک شرما جی آنے تھے، وہ آگئے، وہ بھی تھوڑی دیر میں ایمان کے لئے تیار ہوگئے، شام کو ایک گاؤں میں پروگرام تھا، وہاں ایک گاڑی میں تیسرا آدمی پھونک لگوانے کے لئے آیا، اس کو سمجھایا، وہ بھی مسلمان ہوگیا، ذرا سی دیر میں تین لوگ جہنم کی آگ سے بچ گئے، اس نے اور بھی جھنجھوڑ دیا، اور پھر قرآن وسیرت پڑھنا شروع کیا، اور کہنا شروع کیا تو لوگ کھڑے ہوتے گئے۔

اس کے بعد بھی کئی بار جذبہ میں تحریک پیدا کرنے کے لئے اللہ نے اسماء کو ذریعہ بنایا، دوتین سال کے بعد شعبان میں کچھ مدرسے والوں کو تصدیقات دینے کے لئے گھر میں لیٹر پیڈ لینے کے لئے آیا، اسماء آئی، بولی، ابی جی مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، اور چھ مہینہ ہوگئے، آپ کے پاس ہمارے لئے وقت ہی نہیں ہے، اسماء کی یہ بات دل کو بہت ہی لگی، میں نے جذباتی انداز میں اس سے کہا بیٹا بات کرلو، ابھی کرلو، وہ بولی مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے، میں بہت پریشان ہوں، مجھے اطمینان کا وقت چاہئے، میں نے کہا ابھی بات کرلو، اس نے کہا اب تو آپ باہر مہمانوں کے پاس جارہے ہیں، میں نے کہا کہ نہیں، تم خوب اطمینان سے بات کرو ایک دودن میں تمھارے پاس ہی رہوں گا، وہ بولی، ابی بتایئے، یہ کافر، مشرک اور سارے غیر مسلم ہمیشہ دوزخ میں جلیں گے؟ میں نے کہا ہاں ہمیشہ جلیں گے، وہ بولی، ابی ہمیشہ نہیں جلیں گے، دوسال، تین سال، سوسال، دوسوسال، اللہ میاں کہہ دیں گے چلو جاؤ بس معاف کردیا، میں نے کہا: نہیں وہ ہمیشہ جلیں گے، اللہ نے اپنے کلام میں فرمادیا ہے، وہ بولی فرمادیا ہو، یا نہ فرمادیا ہو، مگر اللہ ان کو ہمیشہ نہیں جلائیں گے، اللہ کا نام رحمٰن و رحیم ہے، ماں سے ستر گنا ماتا رکھتے ہیں، اللہ تعالی فرمائیں گے کہ چلو چلو بس میں نے معاف کیا، سوسال، دوسوسال، پانچ سو سال میں اللہ میاں سب کو نکال دیں گے، میں نے کہا اللہ تعالی جھوٹ تھوڑی بولتے ہیں، اللہ نے اپنے کلام میں صاف صاف فرمادیا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

(سورہ النسآء، آیت ۴۸)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا اس کے علاوہ جسے چاہیں گے ہرگناہ کو

معاف کردیں گے۔

اب اسے عربی کی شد بد ہوگئی تھی، بہت مایوس ہوئی اور بولی، ابی اس میں ان کی کیا خطا ہے، ہمارے اللہ میاں نے ہی تو ان کو ہدایت نہیں دی۔ تقدیر کے معاملے میں اتنی ننھی بچی سے کیا بات کرتا، بات کے رخ کو پھیرنے کے لئے میں نے اس سے کہا کہ بیٹا تمھیں اللہ کا شکر کرنا چاہئے، کہ اللہ نے تمھیں تو ہدایت دی ہے، وہ بہت غمگین ہوئی، پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، ابی میرے دل میں آتا ہے اور میں اللہ سے بہت دیر تک دعا کرتی ہوں، رات دیر تک نیند نہیں آتی 'میرے اللہ کسی کو دوزخ کی آگ میں نہ جلائیو، بس سب کے بدلہ مجھ اکیلی کو جلالی جیو، اس حقیر کے پورے وجود کو اس معصوم کی کیفیت نے جھنجھوڑ دیا، اور مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے۔ ''مجھ اکیلی کو جلا لیجئے'' یہ تو اس بچی کی نا سمجھی ہے، مگر کوئی دوزخ میں نہ جلے، یہ ہمارے نبی ﷺ کا سب سے بڑا درد ہے، جس کے بغیر کوئی مومن رحمۃ للعالمین نبی کا پیرو ہرگز نہیں ہوسکتا، اس کے بعد بھی اس بچی نے دعوتی جذبہ کو تحریک دی۔ اس طرح ظاہری اسباب کے طور پر وہ بچی میری استاذ ہے۔

سوال: آپ کے ہاتھوں پر کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

جواب: جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ہے، ان کی تعداد تو خوب یقینی معلوم ہے، وہ ساڑھے چار ارب ہمارے خونی رشتہ کے بھائی ہیں، جن میں ہزاروں روزانہ بغیر کلمہ کے مرجاتے ہیں، ان کے مقابلہ میں مشرف باسلام ہونے والوں کی تعداد بالکل نہ کے برابر ہے، باقی لوگوں کی تعداد کے مقابلہ میں یہ تعداد ذکر کے لائق بھی نہیں۔

سوال: لوگ کہتے ہیں، ایسے مخالف حالات میں آپ دعوت کا کام کرتے ہیں، اور اس پر تعجب کرتے ہیں، اس کے بارے میں آپ کچھ فرمائیں گے؟

جواب: یہ بات میں ہر مجلس میں کہتا ہوں، کہ آج کل دعوت کے لئے مخالف حالات نہیں ہیں اللہ نے اپنے کلام میں: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ (تا کہ وہ اسلام کو سب دینوں پر غالب کرے) کا وعدہ کیا ہے، ہر کچے اور پکے گھر میں اسلام کے داخل ہونے کی خبر بچی خبر دینے والے مخبر صادق ﷺ نے دی ہے، ایسا لگتا ہے یہی وقت ہے جب ہدایت اللہ کے یہاں سے نازل ہو چکی ہے، لوگ لائن میں لگیں ہیں، جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، ماہ مبارک کی ان مبارک ساعتوں میں اللہ کے گھر میں یہ بات صد فیصد اظہار حقیقت کے طور پر عرض کر رہا ہوں، یہ بات کسی انکساری اور تواضع پر مبنی نہیں کہ یہ حقیر دعوت کی ''الف با'' بھی نہیں جانتا، ایک زمانہ میں میرا حافظہ بہت مشہور تھا، مگر گذشتہ زمانہ میں شدید کھانسی اور اس کی چھینکوں سے یادداشت حد درجہ متاثر ہوئی ہے، ندوہ میں پڑھنا شروع کیا تو مولانا شہباز صاحب اور مولانا عارف صاحبؒ فرماتے تھے، کہ صرف ونحو وغیرہ سب کچھ تم پڑھے پڑھائے ہو دوبارہ ہمارا وقت کیوں ضائع کرتے ہو، اور اب یہ حال ہے کہ قرآن مجید کی آیات میں اعراب مجھے بے حد مشکل لگتا ہے، کہ زبر پڑھوں یا زیر، انگریزی مثالی تھی، اب ایسا حال ہو گیا کہ چھوٹے چھوٹے الفاظ کی اسپیلنگ مجھے یاد نہیں رہتی، فطری طور پر بزدل اور کاہل آدمی ہوں، سستی اور کاہلی کا حال یہ ہے کہ آدمی کے نام سے وحشت ہوتی ہے، ایک اندھیرے کمرے میں ایک بکس پر بستر پڑے رہتے، اس پر بھی چادر اوڑھ کر گرمی میں لیٹتا تو دل مطمئن ہوتا کہ اب کوئی نہیں آئے گا، ایک اللہ والے کی دعا کہیں سن لی تھی یا پڑھ لی تھی، پندرہ سال تک وظیفہ اور مقبول ترین دعا کے طور پر کرتا رہا، کہ یا اللہ آپ کے علاوہ کوئی مجھے نہ جانے، اور آپ کے علاوہ کسی کو میں نہ جانوں، عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر صلاحیت سے کورا

جب ہوا تب سے یہ دعوت کے کام سے شہرت ہوگئی، ارمغان میں مہاجر بھائیوں کی کارگذاریاں چھپ رہی ہیں، اور نسیم ہدایت کے جھونکوں کے نام سے مجموعے چھپے ہیں، اس میں بھی اس حقیر نے بالکل اظہار حقیقت کے طور پر لکھا ہے، کہ جن لوگوں کے قبول اسلام میں ہمارا نام ہوگیا ہے ان کے قبول اسلام میں ہماری دعوتی کوشش یا صلاحیت کو کوئی دخل نہیں، بس ہماری خطا یہ ہے کہ سالوں تک اسلام کی پیاس میں دھکے کھانے والوں کو ہم نے دھتکارا نہیں کہ ہم کلمہ نہیں پڑھواتے، بلکہ ہم نے سوچا کہ ہمارا اکاؤنٹ بن جائے گا، کلمہ پڑھوادیا، قانونی کاروائی کے لئے راستہ بتادیا، بس از خود قبول اسلام کرنے والوں کی تعداد غیر معمولی ہے، ایسے میں حالات کو مخالف کہنا کس طرح صحیح ہے۔

سوال: غیر مسلم تنظیموں یا سرکاری اداروں کی طرف سے آپ کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، یہ بھی لوگ معلوم کرتے ہیں؟

جواب: ہمارے ملک نے بلکہ دنیا کے ہر ملک کے دستور نے کسی مذہب کو قبول کرنے، اس پر عمل کرنے، اور اس کی دعوت دینے کا بنیادی حق ہر شہری کو دیا ہے، اس لئے یہ کام غیر قانونی نہیں ہے، تو مشکل کا کیا مطلب ہے، جہاں تک غیر مسلم بھائیوں کی طرف سے مخالفت کا مسئلہ ہے، تو بقول میرے حضرت والا کے ہم خوش قسمت ہیں، کہ ہمیں ایسے ملک میں داعی بنایا گیا ہے، جہاں کے اہل محبت کے دلوں میں اپنے خیر خواہ کی حد درجہ احسان مندی میں اس درجہ غلو پایا جاتا ہے، کہ یہ قوم اپنے خیر خواہوں کی دیوتا بنا کر پوجا کرتی ہے، یہاں پر کسی داعی اور خیر خواہ کی مخالفت کی کوئی نظیر پورے ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی، ہم لوگ اپنے رفقاء کے ساتھ اب تربیتی کیمپوں کا سلسلہ تقریباً پانچ سال سے

چلا رہے ہیں، ایک بھی واقعہ ایسا نہیں کہ کسی نے مخالفت کی ہو، جس کو دعوت دی گئی ہے اس نے ذرا اف کیا ہو، بلکہ مندروں میں، مذہبی تنظیموں کے دفتروں، تھانوں میں ہمارے دعاۃ جاتے ہیں، سب جگہ سے احسان مندی کے جذبات سامنے آتے ہیں، انکوائریاں آتی ہیں، کچھ لوگ جن کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب بدلوا رہے ہیں، ناراض ہوتے ہیں، مگر جب محبت سے دعوت دی جاتی ہے وہ لوگ مشرف باسلام ہوتے ہیں، کتنے واقعات ارمغان میں آچکے ہیں۔ اللہ تعالی نے خطروں اور خوف سے بچنے کا نسخہ خود اپنی بیاض قرآن کریم میں دعوت کو قرار دیا ہے:

اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا (سورہ احزاب: ۳۹)

ترجمہ :جولوگ تبلیغ رسالت کا کام انجام دیتے ہیں، وہ اسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ان کے حساب کے لئے کافی ہے

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ

(اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا) کا وعدہ بھی اللہ نے کیا ہے۔

سوال ::لوگ یہ کہتے ہیں کہ مخالف حالات ہیں، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کے خلاف جس قدر پروپیگنڈہ ہورہا ہے، اسی تیزی سے اسلام خصوصاً مغربی ملکوں میں پھیل رہا ہے، اس کی وجہ آپ کیا سمجھتے ہیں؟

جواب :یہ سوال واشنگٹن پوسٹ کے ایک نمائندے نے بھی مجھ سے کیا تھا، میں نے عرض کیا اور بات بھی یہی ہے کہ ایک زمانہ تھا جب لوگ اسلام کو مسلمانوں سے سمجھتے تھے، اب ذرائع ابلاغ کی شہرت خصوصاً انٹرنیٹ کی ایجاد نے قرآنی اسلام لوگوں کے

بستروں تک پہنچا دیا ہے، اس لئے لوگ حقیقی اسلام کو جان کر مشرف باسلام ہوجاتے ہیں۔

سوال ::عام لوگ ابھی بھی خصوصاً علماء اور خواص دعوت کی طرف متوجہ نہیں ہیں، اس کے لئے کیا کیا جائے؟

جواب :یہ شیطان کا ایک دھوکہ ہے، وہ آدمی کو اس میں الجھاتا رہتا ہے، فلاں نے یہ نہیں کیا، فلاں یہ نہیں کررہا ہے، مجھے حضرت مسیح الامتؒ کا ایک ملفوظ یاد آتا ہے، حضرت فرماتے تھے، ماضی کا غم نہیں، مستقبل کی فکر نہیں، حال میں کام چاہئے، شیطان انسانوں کی صلاحیت اور وقت کو اس میں ضائع کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فلاں نے یہ نہیں کیا ہم نے یہ ضائع کردیا، ماضی میں کچھ نہیں ملا، مستقبل میں یہ ہونا چاہئے، اور حال ضائع ہوتا چلا جاتا ہے، آپ لوگ جانتے ہیں کہ چند سال پہلے جب ہم لوگ بڑے علماء سے دعوت کی درخواست کرنے اور سبق سنانے جاتے تھے، تو لوگ ہمیں ایسی جماعتوں سے منسوب سمجھتے تھے، جن کو وہ اپنے نزدیک غلط بلکہ گمراہ سمجھتے تھے، مگر ہم لوگوں نے شور مچانا شروع کیا اور باصلاحیت لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور کارگذاریاں سامنے آنے لگیں، تو ہمارا بھی نام ہو گیا، اور صرف شور و نام ہوجانے کی وجہ سے یہ بڑے علماء اور اکابرین پلکوں پر بٹھانے لگے، اس لئے آدمی جو کچھ خود کرسکتا ہے، اسے کرنا شروع کردینا چاہئے، میں نے ایک شعر ملت تک پہنچانے کے لئے اپنی جمعیت امام ولی اللہ کا ایک کیلنڈر چھپوایا تھا، وہ شعر یہ ہے:

منزلیں کسی کے گھر حاضری نہیں دیتیں

راستوں پہ چلنے سے راستے نکلتے ہیں

اور اپنی زندگی کے خطوط متعین کرنے کے لئے ایک شعر یاد کیا تھا:

نہیں جن میں تمہارا عکس شامل

وہ نقشے ہیں مٹا دینے کے قابل

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی سنت مقصودہ کو سمجھنے میں اس حقیر کی رہنمائی کی۔

سوال :: دوسری تنظیموں اور دعوتی تحریکوں کے ساتھ دعوتی اشتراک کے بارے میں لوگ کہتے ہیں، ان کے بارے میں کچھ فرمائیں؟

جواب :اس حقیر نے اپنے رفقاء کے لئے خطوط متعین کرنے کیلئے ایک مضمون جمعیت امام ولی اللہ کے تعارف کے ساتھ چھپوایا تھا، جس کا عنوان تھا: ''دین کے ہر کام کرنے والے کے رفیق بنو، فریق نہیں'' الحمد للہ ہم لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں، کہ ہم رفاقت کی شناخت کے ساتھ کام کریں۔

سوال :تبلیغی جماعت کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہے؟

جواب :یہ حقیر دعوت کی اس ٹوٹی پھوٹی محنت کو جو غیر مسلموں میں چل رہی ہے، اکابرین تبلیغ کے نشانوں اور خوابوں کی تعبیر سمجھتا ہے، اپنے کاموں کی جو ''الف با'' حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے شروع کی تھی، اس کی ''ت ث'' اس کوشش کو سمجھتا ہے، تاہم مرکز کا ایک نظام ہے جب تک وہاں سے خود اس کا مشورہ نہیں ہوتا، انفرادی طور پر کوشش کرنے کی ترغیب کو مناسب سمجھتا ہے، اور صد فیصد یقین بلکہ یقین کامل ہے کہ بنگلہ والی مسجد سے جو آواز چلی ہے، دنیا کے ہر کونے کے ہر انسان تک ایمان پہنچانے کی آواز ہے، جو انشاء اللہ اسی مرکز سے دنیا میں پہنچے گی، یہ حقیر بھی اس تحریک کا جاروب کش ہے، یہ توفیق صرف تبلیغی کوششوں کے صدقے میں ملی ہے۔

سوال :دینی مدارس اور تعلیمی تحریکوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب :دین کا اہم ترین منبع مدارس ہیں، نبی کریم ﷺ معلم بنا کر بھیجے گئے تھے، تبلیغ

تعلیم کا ایک شعبہ ہے، اور ہمارے لئے معیار، نبوی مدرسہ صفہ ہے، جس کے متعلمین کے واسطے سے ساری دنیا میں اسلام پہنچا ہے، الحمد للہ ہم لوگ مدارس اور اہل مدارس کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں، اور مدارس کا دعوتی مزاج بنانے کی کوشش بھی کرتے ہیں، مدارس کے خلاف مسلمانوں میں غلط فہمی، بدگمانی اور استخفاف کو یہ حقیر ملت اسلامیہ کی خودکشی سمجھتا ہے، اس کے لئے ''دینی مدارس ہماری ذمہ داری اور ملک کی ترقی میں مدارس کا رول'' میرے مضامین انٹرنیٹ پر ہیں، وہ پڑھنے کے ہیں، یہ حقیر دینی مدارس میں جاتا ہے، لوگ ازراہ کرم معائنہ کے لئے کہتے ہیں، تو یہ حقیر اپنا منصب بڑے فخر سے خاک پائے خدام دین لکھتا ہے، کسی انکساری یا تواضع کے جذبہ سے نہیں بلکہ اس امید پر کہ اللہ کا کوئی بندہ معائنہ کے رجسٹر کو پڑھے گا تو کسی مقبول گھڑی میں یا مقبول بندہ کی زبان سے نکلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ''خاک پائے خدام دین'' بنا دیں گے تو میری آخرت بن جائے گی۔

سوال :نومسلموں کے مسائل کے سلسلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب : اصل میں نومسلم کی اصطلاح خیر القرون میں نہیں تھی، مجھے لگتا ہے کہ ہر چیز کو خیر القرون سے لینے کا مزاج ہی ہمارے لئے خیر کا ضامن ہے، ہمارے رفقاء اپنے دعوتی مرکز قائم کرتے ہیں تو دارِ ارقم اور بعد میں دار ابوایوب نام رکھتے ہیں، اس حقیر نے اس کی بڑی برکت محسوس کی، اگر ہم ان لوگوں کو مہاجر بھائی کہیں تو انشاء اللہ بڑی خیر ہوگی۔

الحمد للہ! ارمغان کے حوالہ سے کب سے یہ بات کہی جاتی رہی ہے اور قرآن و سنت اور تاریخ کے حوالوں سے ثابت کی جاتی رہی ہے کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری دنیائے انسانیت کے سارے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشرتی، معاشی ہر طرح کے مسائل کا حل سیرت نبوی کی روشنی میں صرف دعوت ہے اور دعوت ہی ان مسائل کا حل

ہے اور آسان ترین حل ہے، اور دعوت کی راہ میں جو مسائل درپیش ہوتے ہیں ان میں دنیا کے ہر داعی کا تجربہ ہے کہ دعوت کی راہ میں ایک اہم ترین مسئلہ اسلام قبول کرنے والے ان نومسلموں کا مسئلہ ہے جن میں سے اکثر کو ہجرت کرنا پڑتی ہے، ان خوش قسمت افراد کے، (جن کو اللہ تعالیٰ اپنی شان ہادی کے مظہر کے طور پر ہدایت یاب فرمارہے ہیں) ان کے تربیتی، اقتصادی، اور معاشرتی مسائل سے دعوت کا کام کرنے والے افراد بہت جوجھتے ہیں، لوگ جماعت میں بھیجتے ہیں، مدارس میں رکھتے ہیں، اس کے لئے ادارے تربیتی مراکز قائم کررہے ہیں اس سلسلہ میں کوششیں کی جارہی ہیں، مگر بظاہر حق ادا تو کیا، بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہو پاتا۔

پوری دنیا کے داعیوں کا تجربہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے والا مہاجر نومسلم تربیت کے ساتھ اقتصادی اور معاشرتی طور پر سیٹ ہوجائے، اس کے پاس ایسا نظم ہو کہ وہ اپنے گھر والوں خاندان والوں یا عزیزوں کو اپنے گھر چند روز مہمان رکھ سکے تو رفتہ رفتہ اس کے اہل خانہ، بھائی بہن، ماں باپ، اسلام میں آجاتے ہیں، اس کے برخلاف اگر وہ در در پھرتا ہے اور اپنی ضروریات کے لئے سوال کرتا پھرے، تو پھر وہ دوسروں کو دعوت دینے کی ہمت تو کیا کرتا ہے خود آنے والوں کے لئے رکاوٹ بنتا ہے، ہم لوگ اپنے خاندان اور گھر میں رہ کر ایک مہاجر نومسلم بھائی کے درد اور حال کو نہیں سمجھ سکتے۔

انسان ایک سماجی حیوان ہے، اسے زندگی میں ہر رشتہ کی احتیاج ہوتی ہے، ہم تصور کریں کہ اگر ہم میں سے کسی کے ایک رشتہ نہ ہو تو ساری زندگی کسک محسوس ہوتی ہے، مثلاً بڑی بہن تو ہے چھوٹی بہن نہیں ہے، خالہ نہیں ہے، پھوپھی نہیں ہے، ایک رشتہ نہ ہو تو ساری زندگی حسرت رہتی ہے کہ اس رشتہ والا کوئی مجھے میسر نہیں۔ ایک نومسلم مہاجر جب

سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنگل بیابان میں آتا ہے، تو اسے کتنی تالیف قلب کی ضرورت ہوتی ہے، ہم اس کا اپنے عیش و آرام اور اہل خاندان میں رہ کر اندازہ نہیں کرسکتے، ہم لوگ زیادہ سے زیادہ یہ کرتے ہیں کہ ابتدائی طور پر کچھ پیسے اس کو بھیک میں دے دیتے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب پہلی مرتبہ کسی نومسلم کو ضروریات زندگی کے لئے کوئی رقم دی جاتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے کہ مجھے لوگ ضرورت مند سمجھتے ہیں، مگر زندگی کی ضروریات کی وجہ سے دوبارہ اسے کسی سے کہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کا ضمیر اس کی مجبوری کے تلے دب جاتا ہے اور وہ در در مانگنے لگتا ہے، اور زندگی کے مسائل سے جوجھتے رہنے کی وجہ سے، اپنی دینی اور تعلیمی ترقی سے محروم ہوجاتا ہے، بعض مرتبہ جماعت میں، مناسب امیر کے نہ ملنے یا غیر تربیت یافتہ نئے ساتھیوں کی وجہ سے اسے بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔

ان مہاجروں کے تربیتی اور معاشرتی اور اقتصادی مسائل کا حل جب ہم صراط مستقیم، اسلام کے دروازے پر سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں تلاش کرنے نکلتے ہیں تو اس کا ایک مکمل اور آسان ترین حل ہمیں ''اسلامی مؤاخات'' ملتا ہے، جو اس زمانہ میں متروک سنت ہوگئی ہے۔ یہ اس مسئلہ کا ایک پائیدار، مکمل اور آسان ترین حل ہے۔

کسی بین الاقوامی ایسی تنظیم کے پاس، جس کو بڑے اہل خیر بلکہ حکومت کی سرپرستی حاصل ہو اگر پانچ سو مہاجر افراد اچانک آجائیں تو آپ ان کی تربیت، شادی بیاہ، اور کاروبار کے مسائل کے لئے جوجھ جائیں گے مگر یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، اس کے برخلاف سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں مؤاخات کی متروکہ سنت کو زندہ کرکے صرف ہندوستان میں، ایک کروڑ مہاجرین ہمارے یہاں ہجرت کرکے آجائیں، ایک کروڑ

مسلمانوں سے ان کی مؤاخات قائم کر کے اس مسئلہ کو چٹکیوں میں حل کیا جا سکتا ہے، ایک مہاجر بھائی کو ایک مسلمان کا بھائی، بیٹا بنا کر اس کی تربیت، اس کی شادی بیاہ، اس کے کاروبار کا مسئلہ حل کرنا بہت آسان ہے، کسی کے چار بیٹے ہیں اگر وہ ایک مہاجر کو اپنا بیٹا بنا کر چار کے بجائے پانچ بیٹوں کی پرورش، تربیت اور شادیاں اور ان کو پیروں پر کھڑے کرنا کا مسئلہ حل کرنا چاہے تو بغیر کسی بڑے بوجھ کے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا اس طرح ایک کروڑ لوگ ایک دو سال میں پرانے مسلمانوں سے اچھے مسلمان بن کر اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے گھر والوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بننے کے حال میں ہو سکتے ہیں اور پھر یہ ایک کروڑ چند سالوں میں دوسرے کئی کروڑ کے ساتھ مؤاخات کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔

پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ آپ کتنا ہی زیادہ خیال رکھیں گے تو ایک مہاجر کی ہفتہ دو ہفتہ میں خبر گیری کر سکیں گے، حالانکہ اسے بعض حالات میں ہر گھنٹہ اور ہر وقت سہارے کی ضرورت ہے، اگر آپ اپنے گھر کا فرد سمجھ کر اس کی فکر کریں گے تو دن رات میں ہر وقت آپ اس کے ساتھ حاضر رہیں گے، سیرت پاک میں اس کا ایک اہم باب ہمارے لئے رہنما ہے دین میں اس کو ایسی جگہ دی گئی ہے کہ ایک طرف نسب بدلنے کی سخت مذمت آئی ہے کہ نسب کے بدلنے والوں کو جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی خبر اور وعید بتائی گئی ہے، مگر جس مہاجر کو آپ مؤاخات کے طور پر قبول کر کے اپنے خاندان کا فرد بنا رہے ہیں اس کو آپ کے نسب، آپ کے خاندان سے منسوب ہونے کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ چنانچہ امام المحدثین امام بخاریؒ کی نسبت الجعفی الیمانی سے ہے، جن کے ہاتھ پر ان کے دادا مغیرہ مسلمان ہو کر ان کی مؤاخات میں رہے تھے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جو خاندانی مسلمان گھرانہ کسی مہاجر بھائی کو اسلامی مؤاخات

کی سنت کے تحت قبول کرتا ہے، اگر نو وارد دین دار نہ بھی ہو تو بتدریج اس مبارک نسبت کی برکت سے دین دار ہو جاتا ہے، ایسی سینکڑوں مثالیں قریبی زمانے میں ہمارے رفقاء کے سامنے آتی رہتی ہیں۔

کچھ روز قبل مغربی اتر پردیش کے مرکزی علمی شہر کے قریب ایک گاؤں میں ایک نو عمر بچے نے اسلام قبول کیا، وہ گھر چھوڑ کر شہر آ گیا، گھر والوں نے اس لڑکے پر بہت دباؤ دیا اور سرپرستی کرنے والوں کے خلاف بھی غم و غصہ ظاہر کیا، علاقہ کے لوگوں نے مسلمانوں پر چڑھائی کا پروگرام بنایا، اس حقیر کے پاس مسلمانوں کے فون آئے، اس حقیر نے عرض کیا کہ میرے اللہ کا وعدہ ہے: وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرے گا) اور کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْباً (اور اللہ حساب کے لئے کافی ہے) آپ فکر نہ کریں انشاء اللہ کچھ نہ ہوگا۔

کچھ لیڈروں نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا، جب بچے کو بہت مضبوط دیکھا کہ وہ مرنے کے لئے تیار ہے مگر اپنے گھر کفر میں جانے کو تیار نہیں، تو سب لوگ غصہ میں چھوڑ کر چلے گئے، ایک اپنے سیکولر ہونے کا خبط رکھنے والے مسلمان لیڈر جو دین داری سے دور بلکہ دین داری سے متنفر تھے، بس عید کی نماز بھی رسماً پڑھتے تھے، انہوں نے اس معاملہ میں خاصی دلچسپی دکھائی، اس حقیر نے ان کو بلایا۔ معلوم کیا کہ ان کے کتنے بیٹے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ چار ہیں، میں نے کہا کہ چار کم ہیں، آپ کا پانچواں بیٹا یہ نو مسلم بچہ ہے یہ سب کچھ چھوڑ کر آیا ہے، اس کو کون گلے لگائے گا وہ جذبہ میں آئے اور بولے یہ میرا پانچواں نہیں بلکہ پہلا بیٹا ہے یہ چاروں بعد میں ہیں۔ الحمد للہ انہوں نے اس بچہ کو مدرسہ میں داخل کرایا یہ بچہ حافظ ہو کر اب عالم ہونے والا ہے، اب ان صاحب

کا حال یہ ہے کہ گھر کے سب افراد حج کر آئے ہیں، بیٹوں او ران کے چہروں پر داڑھیاں ہیں، گھر کے سب مرد اور عورتیں نمازی ہوگئی ہیں اور کچھ تہجد گذار بھی۔ اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں ایک خاندان اگر اپنے گھر میں ایک فرد کو اپنے خاندان کا حقیقی فرد بنا کر اس کی تربیت، اس کی شادی بیاہ اور کاروبار کے مسئلہ کو حل کرنا چاہے تو کتنا آسان ہے۔

ضرورت ہے کہ امت میں اس کا شعور بیدار کیا جائے اور یہ زمانہ جس میں اللہ تعالی نے ہدایت نازل فرمادی ہے از خود اسلام کی طرف آنے والوں کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھ رہی ہے، اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کی وجہ سے اللہ تعالی نے لوگوں میں اسلام کو جاننے کا جذبہ اور اس کو سمجھنے کا تجسس پیدا کر کے خود اسلام کے لئے دنیا پر راہیں کھول دی ہیں، اس کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے کہ اسلامی مؤاخات کو زندہ کیا جائے یہ اس مشکل ترین سمجھے جانے اہم ترین مسئلہ کا سیرت نبوی کی روشنی میں آسان ترین حل ہے۔

سوال: ''آپ کی امانت، آپ کی سیوا میں'' آپ نے کس طرح لکھی اور اس کی قبولیت کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اصل میں تو اس کتاب کی تاثیر میرے حضرت والا اور حضرت والا کی والدہ ماجدہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، کچھ مخلصین نے بھی تقاضا کیا کہ ہمیں بات کرنے میں جھجک ہوتی ہے، اس لئے بات شروع کرنے کے لئے کوئی چھوٹی سی کتاب لکھیں، شاید محسنین کے حکم کی تعمیل کی برکت سے یہ کتاب لکھی گئی، ورنہ کتاب میں کچھ نہیں ہے، مگر آج تک اس کو پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، ملک کی ساری زبانوں میں اس کے ترجمے شائع ہوئے ہیں۔

سوال: دنیا کے دوسرے ملکوں میں دعوت کو پھیلانے کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں؟

جواب: اصل میں ہم کس کھیت کی مولی ہیں جو کچھ کر سکیں، اتری ہوئی ہدایت کو تلاش کر کے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں، تین سفر حرمین شریفین کے کرتے ہیں، دنیا سے آنے والے لوگوں کی ذہن سازی کی کوشش سے الحمد للہ دنیا کے بہت سے ملکوں میں کام پھیل رہا ہے، عربی کا پرچہ ''الخیر'' بھی دعوتی ذہن سازی کے لئے نکل رہا ہے، انگریزی میں بھی کوشش چل رہی ہے، الحمد للہ لوگ کھڑے ہو رہے ہیں، خصوصاً ارمغان کی آواز تو دنیا کے کونے کونے تک پہنچ رہی ہے۔

سوال: دعوت کے طریقۂ کار کے سلسلہ میں کام کرنے والوں کے الگ الگ طریقوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: میرے حضرت والا نے بارہا اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ بات فرمائی ہے کہ دعوت تو منصوص ہے، طریقہ دعوت منصوص نہیں، یہ داعی کے قلب پر ہر وقت وارد ہوتا ہے، اس حقیر کا خیال ہے کہ ایک داعی کے ذریعہ اگر اللہ تعالی نے ہزاروں لوگوں کو ہدایت عطا فرمائی ہوگی تو ہر ایک سے بات کرنے میں کچھ نہ کچھ الگ طریقہ رہا ہوگا، لوگ مختلف نہج پر کام کر رہے ہیں اور ان کو اپنے اپنے طریقوں پر انشراح ہے۔ اور وہ انہیں راس آگئے ہیں، اس لیے ان سبھی جائز طریقوں کی گنجائش ہے۔

سوال: دوسرے مذاہب کی کتابوں سے حوالے پیش کر کے دعوت دینا کیسا ہے؟

جواب: اس کا نص صریح سے جواز اور تصویب ثابت ہے، قرآن مجید میں ہے:

قل يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم ان لا نعبد الله (آل عمران:۶۴) اے نبی آپ کہہ دیجئے: اے اہل کتاب آؤ ایک ایسے کلمے کی طرف

جو تمہارے ہمارے مابین برابر ہے، کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا ارشاد ہے کہ جتنا اسلام ان کی کتابوں میں ہے اگر وہ اسے مان لیں تو ان کی نجات کے لیے کافی ہے، مگر یہ طریق بہت مہارت چاہتا ہے، اگر داعی علم اور صلاحیت میں بہت گہرا نہیں تو وحدتِ دین کے بجائے وحدتِ ادیان کی طرف بات چلی جاتی ہے، کئی بار مدعو کو یہ کہتے سنتے ہیں کہ یہ صاحب تو بس ہمارے دھرم میں آنے والے ہیں، تاہم مانوس کرنے کے لیے ان کی اصطلاحوں سے شروعات کرنا فطری ہے اور مفید ہے، البتہ اس کے لیے شرک اور شرکیہ رسوم میں داعی کو خود شریک ہونے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، اس کا خیال بہت ضروری ہے، مدعو کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو سب سے زیادہ ناراض کرنے والی چیز شرک میں مبتلا ہونے کی کسی طرح گنجائش نہیں۔

سوال : آج کل بعض حضرات اسلام کے تعارف کے لیے قرآن مجید، سیرت پاک وغیرہ کے مختلف موضوعات پر مضامین لکھوا کے اور کویز کمپٹیشن کرا کے دعوت کا کام کر رہے ہیں، یہ طریقہ کیسا ہے؟

جواب : یہ طریقہ بھی مبارک اور مناسب ہے، بلا شبہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں ہیں بلکہ جس قدر اسلام کی مخالفت دنیا میں ہو رہی ہے، غلط فہمیوں کی بنا پر ہے۔ یہ ایک اچھا طریقہ ہے اور اس کی ضرورت ہے، بلکہ ذرائع ابلاغ کو استعمال کر کے اور بڑے پیمانہ پر یہ کام ہونا چاہئے، اور کام کرنے والوں کا تعاون اور خدمت کرنی چاہئے، ہر آدمی اپنی حیثیت سے کاروبار، تجارت اور دھندہ کرتا ہے، ہم لوگ چھوٹی پونجی کے کنگال ٹائپ کے تاجر ہیں، چھوٹی پونجی کا کاروبار کرنے والا کم محنت اور روپے لگا کر زیادہ نفع چاہتا ہے، ہمیں ایسا لگتا ہے یہ بڑی پونجی رکھنے والوں کا دھندہ

ہے، جس میں بہت وقت اور محنت کے بعد چند لوگ اسلام میں آتے ہیں، دل میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ تعارفِ اسلام کی کوشش ہے اور ہمیں صرف تعارف کا مکلف نہیں بنایا گیا، بلکہ دعوت ہم پر فرض کی گئی ہے، تعارف الگ چیز ہے دعوت الگ چیز ہے، اس حقیر کو ایسا لگتا ہے۔

سوال : ذرائع ابلاغ جیسے ٹی وی، انٹرنیٹ وغیرہ کو دعوت کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے، موجودہ زمانہ میں ڈاکٹر ذاکر نائک پیس ٹی وی کے ذریعہ جو کام کر رہے ہیں، اس طریقہ کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب : ذرائع ابلاغ کو یہ حقیر ذرائع تبلیغ ہی سمجھتا ہے اور ذرائع ابلاغ کی اس کثرت کو ہر کچے پکے گھر میں اسلام پہنچانے کے لیے اللہ کی طرف سے انتظام سمجھتا ہے، ان کو استعمال کرنا چاہیے، اور جن لوگوں کو یہ ذرائع مہیا ہیں ان کی قدر کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر ذاکر نائک صاحب اور ان کے طریق پر دعوت کا کام کرنے والوں کی کوششوں کا یہ حقیر قدردان ہے، جہاں تک ہمارے دردمند علمائے کرام کی طرف سے ڈاکٹر ذاکر نائک اور ان جیسے دعاۃ کا اپنی توجہات صرف دعوت اسلام اور دعوت الی اللہ کی طرف مرتکز کرنے اور مسلک و مشرب کی دعوت سے بچنے کی مثبت اور دردمندانہ مشورے کی بات ہے یہ حقیر بھی اپنے ان خیر خواہوں کی تائید کرتا ہے، تاہم یہ بات ضرور ہے کہ ان کے کام کی افادیت سے انکار کو مناسب نہیں سمجھتا، اس حقیر کی ہر جگہ پر کچھ نہ کچھ غیر مسلم بھائیوں سے ملاقات ہو جاتی ہے جو پیس ٹی وی دیکھ کر متاثر ہوئے اور اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا، اور ان میں سے بعض لوگ کسی دوسرے واسطہ سے مسلمان بھی ہوئے ہیں، ان ذرائع ابلاغ کو جائز حدود میں استعمال کرنا چاہئے، نئی نسل میں اسلام اور مسلمانوں کے

خلاف بنیادی غلط فہمیاں مثلاً: تلوار کے زور سے اسلام پھیلا، اسلام میں تعدد ازدواج کے سلسلہ میں کافی حد تک ختم ہوتی جارہی ہیں، یہ ان لوگوں کے کام کی افادیت ہے جس کی قدر کرنی چاہئے، تاہم اگر کوئی شرعی قباحت ہے تو مثبت انداز سے اس کو دردمندی سے اپنا سمجھ کر دور کرنے کی کوشش ضرور ہونی چاہئے۔

سوال: آپ دعوت کے لیے کس طریقہ کو ترجیح دیتے ہیں؟

جواب: دعوت بالقرآن کا یہ طریقہ جو ہمارے دعاۃ تربیتی کیمپوں میں سکھا رہے ہیں، یہ سب سے محتاط اور آسان طریقہ دکھائی دیتا ہے، ہم لوگ کمزور ہیں اور کمزور آدمی سب سے زیادہ احتیاط اور آسانے والے راستہ کو اختیار کرتا ہے، اس طریقہ میں زیادہ صلاحیت کی ضرورت بھی نہیں اور زیادہ بحث و مباحثہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اور الحمد للہ تھوڑی پونجی میں نتیجہ بھی زیادہ ہے، دس بیس منٹ بات کرنے کے بعد کلمہ پیش کر دیا جاتا ہے، لوگ خوشی سے قبول بھی کر لیتے ہیں، کم محنت اور نفع زیادہ تو پھر تھوڑی پونجی والے کو دوسرے طریقہ کی ضرورت کہاں ہے؟ قرآن مجید کا یہ اعجاز بھی کھلی آنکھوں دیکھنے کو ملتا ہے کہ بعض اوقات مدعو عربی میں آیات قرآنی سن کر رونے لگتا ہے۔ کھلی آنکھوں محسوس ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء کے کام انکی حیات میں ختم ہو گئے، ان کے معجزے بھی ان کی حیات تک تھے، ہمارے نبی ﷺ کے کام کا اتمام ابھی باقی ہے، اس لیے آپ کا معجزہ اپنے اعجاز کے ساتھ باقی ہے۔ اور یہ طریقہ اقرب الی السنۃ لگتا ہے، ہمارے نبی ﷺ کے اسلوب دعوت پر آپ غور کریں تو تقریری دعوت میں قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا (لا الٰہ الا اللہ کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے) اور تحریری دعوت میں اسلم تسلم (اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے) بعض خطوط میں صرف اتنا ہی تحریر فرمایا، اس لیے اس طریقہ میں آسانی ہونے

کی وجہ سے طبیعت اسی طرف چلتی ہے۔

سوال: بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کلمہ پڑھوانے سے کیا ہوتا ہے؟

جواب: یہ بات یہ حقیر ہر جگہ ذکر کرتا ہے اور بالکل اظہار حقیقت کے طور پر ذکر کرتا ہے کہ یہ حقیر دعوت کی الف با بھی نہیں جانتا، تربیتی کیمپوں کا یہ سلسلہ چل رہا ہے، اس حقیر کو اس میں شرکت کر کے کچھ دعوت سیکھنے کا موقع نہیں ملا، بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ فضول شہرت ہو جانے کی وجہ سے لوگ اس حقیر کو ملواتے ہیں، تو میں آپ لوگوں میں سے کسی تربیت یافتہ داعی کو تلاش کرتا ہوں، کبھی جب کوئی نہیں ہوتا تو مجبوراً بات کرنی پڑتی ہے، اب جب یہ حقیر کچھ جانتا ہی نہیں تو ''پڑھ کلمہ'' کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے، یہ حقیر ایک لطیفہ عرض کیا کرتا ہے کہ ایک خانصاحب ایک سردار جی کو زیر کر کے ان کے سینہ پر سوار ہو گئے اور دھمکا کر بولے پڑھ کلمہ، سردار جی نے جان کے خوف سے کہا پڑھاؤ تو خاں صاحب بولے، ہم کو بھی یاد نہیں، سچی بات یہ ہے کہ ہمیں اس سے زیادہ کچھ آتا بھی نہیں، اس لیے باقاعدہ دلائل کے ساتھ دعوت دے نہیں سکتے، پھر اس کمزوری کو ظاہری مناسبت ہو گئی آقا کے فرمان سے کہ: قولو لا اللہ الا اللہ تفلحو، تو ہمارے تو مزے ہی آ گئے، پھر اس طرح ''پڑھ کلمہ'' سے کتنے لوگوں کی زندگیاں کیسی قابل رشک بن گئیں، تو پھر یہ نفع والا دھندہ ہمیں کیوں نہ راس آئے، یہ بات بھی صحیح ہے کہ کلمہ پڑھوا کر چھوڑ دینا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے، مگر سب کچھ سمجھا کر کلمہ نہ پڑھوا سکے تو یہ بہت ہی غلط ہے، اور کلمہ پڑھوائے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ زندگی بھر مدعو پر محنت کرتے رہے ان کو مطالعہ کراتے رہے، دلائل سے سمجھاتے رہے، کلمہ پڑھوانے کی نوبت ہی نہ آئی، تو اس کا فائدہ کیا ہے۔

خصوصاً ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں ہمارے برادران وطن اور غیر مسلم بھائی اکثر ہندو ہیں، ان میں سے اکثر رسمی طور پر ہندو ہیں، شعوری طور پر ہندو بالکل نہ کے برابر ہیں۔ ہمارے ایک بہت بڑے ہندو مذہب کے قائد اور سند سمجھے جانے والے اسکالر نے یہ بات بتائی کہ ہمارے ملک میں ہزاروں ہندوؤں میں سے کائی ایک ویدوں کے درشن کر پاتا ہے، جب کہ یہ ان کی مرکزی کتاب ہے اور لاکھوں میں کوئی ایک اسے پڑھتا یا پاٹھ کرتا ہے اور بتایا کہ پورے ملک کے تقریباً سو کروڑ ہندو بھائیوں میں ایک سو سے زیادہ ویدوں کو سمجھنے والے نہیں، گویا ایک کروڑ ہندو بھائیوں میں ایک کو چھوڑ کر یہاں سب رسمی ہندو ہیں، شعوری ہندو نہیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر دعوت کا کام کرنے کے لیے صلاحیت کی ضرورت نہیں بلکہ جرأت کی، اور چونکہ یہ قوم اہل محبت قوم ہے، اس لیے محبت کی ضرورت ہے، یہاں بس جرأت اور محبت کے ساتھ ''پڑھ کلمہ'' کہنے والوں کی ضرورت ہے، کتنے لوگوں کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اپنے مدعو پر لمبی مدت سے محنت کر رہی ہیں، مگر بس تعارف اور غلط فہمی دور کرنے تک بات رہتی ہے، کلمہ پڑھنے کو نہیں کہا، جب ان سے پوچھا گیا کلمہ پیش کیا؟ تو کہتے ہیں ہمت نہیں ہوئی اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ کلمہ پڑھنے کو کہنے کے لیے ہمت ''پڑھ کلمہ'' کہنے ہی سے آتی ہے۔

سہ ماہی تربیتی کیمپ میں شریک علماء سے یہ حقیر عرض کر رہا تھا کہ زندگی کے ایک پل کا اطمینان نہیں، کون سا سانس آخری ہو، اور کون سی دل کی دھڑکن آخری ہو، اور موت کے بعد پھر ہمیشہ کی ناکامی یا کامیابی اور دوزخ یا جنت، اگر آخرت میں جنت و دوزخ کا یقین اور ایمان یعنی کلمہ پڑھنے پر نجات کا مدار ہے، اس پر یقین ہے، تو ہمارے

لیے دلیلیں دینا اور خوب سمجھانا کہاں ممکن ہے؟ ایک آدمی کنویں یا نہر میں ڈوب رہا ہو، یا آگ کے الاؤ میں گرنے جا رہا ہو تو انسان کیا کرے گا؟ یہ بات عقل کے لحاظ سے کہاں درست ہے کہ کنارے پر کھڑے ہو کر اس کے سامنے لمبی تقریر کرنے لگے:

''حضور کنواں، یہ دریا بہت گہرا ہے، آپ جب اس میں گریں گے تو معلوم ہوگا کہ آپ کو پیرنا نہیں آتا، آپ نیچے چلے جائیں گے، پھر پانی آپ کو ایک دوبار اوپر لائے گا، پھر آپ پانی کے اندر چلے جائیں گے، آپ کے ناک منھ میں پانی بھر جائے گا تو سانس بند ہو جائے گا، اور آپ کے پھیپھڑوں میں ہوا کی جگہ پانی بھر جائے گا اور پھر آپ کا دم گھٹنے لگے گا پھر آپ کی آنکھیں باہر آنے لگیں گی، پھر آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے خون جمنے لگے گا، اور پھر آپ کی زبان باہر آجائے گی اور پھر آپ ڈوب جائیں گے اور موت واقع ہو جائے گی، ہو سکتا ہے کہ آپ کی نعش بھی لوگوں کو نہ مل سکے، اور پھر تلاش کرتے کرتے آپ کے گھر والوں کی زندگی جہنم ہو جائے گی، اس لیے میری رائے ہے کہ آپ ڈوبنے کا ارادہ ہرگز مت کیجیے۔'' آدمی ایسے موقع پر دلائل سے بھری فصیح و بلیغ تقریر کرے گا یا پھر اس ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے خود دریا میں چھلانگ لگائے گا، اور اس کو ہاتھ پکڑ کر اس کا پاؤں کھینچ کر اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو باہر نکالنے کی کوشش کرے گا۔ کتنے ویر تیراک ڈوبتوں کو بچانے کے لیے اپنی جان دی چکے ہیں، اس کو لمبی تقریر کی نہ فرصت ہوگی نہ یہ بات عقل کے مطابق سمجھی جائے گی۔

کیا آگ کے الاؤ میں گرنے والے سے آدمی لمبی تقریر کرے گا کہ ''جناب والا الاؤ پر آپ گر رہے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ آگ کیسی دہکی ہوئی ہے، آپ جیسے ہی اس میں گریں گے آپ کے کپڑوں میں آگ لگ جائے گی، کپڑے جلنے کے ساتھ ساتھ

آپ کے بال اور رواں جلے گا اور ابتدا میں کھال آگ پکڑے گی۔ جس سے آپ کے جسم میں آگ پہنچے گی اور پھر گوشت جلنے لگے گا، اگر گھر والوں نے آگ بجھا بھی دی اور آپ اس وقت بچ بھی گئے تو اسپتال میں آپ کو لے جایا جائے گا، بستر پر لیٹنا آپ کے لیے مشکل ہوگا، جلن آپ کو تڑپا دے گی، پھر اس میں مواد پڑ جائے گا اور اس میں بدبو اور تعفن ہو جائے گا، تیماردار آپ کے قریب آتے ہوئے گھبرائیں گے، اور آپ مر جائیں گے تو آپ کی تدفین بھی لوگوں کے لیے مشکل ہوگی۔'' آپ ایسا کریں گے یا اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کو آگ سے بچانے کی کوشش کریں گے؟

دریا میں گر کر ڈوبنے والے اور آگ کے الاؤ میں کود کر جلنے والے کے پاس جتنا وقت ہے، اتنا وقت بھی انسان کے پاس موت سے پہلے کا نہیں ہے، اس لیے اسلم تسلم (اسلام لے آؤ سلامتی پا جاؤ گے) اور قولو لا الـه الا الله کہہ لو کامیاب ہو جاؤ گے) کہلوانے کے علاوہ داعی کے لیے کوئی عاقلانہ راستہ نہیں۔ نبی الصادق المصدوق ﷺ نے کیسی سچی بات فرمائی کہ تم لوگ پروانوں کی طرح آگ میں گرے جا رہے ہو اور میں تمھیں کمر پکڑ پکڑ کر باہر نکال رہا ہوں، اس لیے تو قرآن مجید نے ۱۲۸ آیتوں میں پیارے نبی ﷺ کی بے تابی کا ذکر کیا ہے:

لعلک باخع نفسک الا یکونو مومنین (کہف:) (شاید آپ خود کو ہلاک کر لیں گے اس غم میں کہ یہ مومن ہو جائیں۔)

میں تو بعض مرتبہ اپنے ساتھیوں سے یہ بھی کہتا ہوں کہ آپ میدان دعوت میں جائیں تو اگر مدعو کوئی ایک سوال کرے تو جواب دیں، دوسرا سوال کرے تو بھی جواب دیں اگر وہ تیسرا سوال کرے تو یہ سلسلہ حکمت سے ختم کر کے گھر آ کر دعا کریں، ہیڈ آفس

سے ہدایت منظور کرائیں، سوالات آتے ہی اکثر نہ ماننے کا ارادہ کرنے والے کے ذہن میں ہیں، ورنہ صرف ''پڑھ کلمہ'' ہی کافی ہوتا ہے، اور کتنی زندگیاں قابل رشک ہو گئیں، میں نے آخری صفحہ میں ایک نوجوان کا ذکر کیا تھا جس کو صرف پڑھ کلمہ نے ایمان نصیب ہوا تھا، اور اپنے گھر والوں پر کام کے لیے اپنے گھر والوں کے ساتھ رہنا اس کے لیے کتنا مشکل ہو گیا تھا، اور اس نے ایک مرتبہ مجھ سے گاڑی کے سامنے کھڑے ہو کر چار دعائیں کرنے کا وعدہ لیا تھا، جس سے اس کے ذوق اور ایمانی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ پہلی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے حضرت ابو بکر صدیق جیسا ایمان نصیب فرما دے، دوسری دعا یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت حضرت ابو بکر صدیق جیسی عطا کر دے، تیسری دعا یہ کہ مجھے بہت بڑا عالم بنا دے، اور چوتھی یہ دعا جو اس کی خوش گمانی پر مبنی تھی کہ اللہ تعالیٰ کم از کم آپ جیسا دعوت کا کام مجھ سے لے لے۔

اس لیے یہ حقیر ہر لائن سے دعوت کا کام کرنے والوں کی قدردانی، اور اپنے رفقاء سے ان سے استفادہ اور تعاون کی درخواست کے ساتھ اپنے لیے ''پڑھ کلمہ'' والے راستہ کو مناسب سمجھتا ہے، اور اسے ان داعیوں سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے جو دعوت کی بنیاد جرأت اور محبت کے ساتھ: قولو لا الہ الا اللہ کے شارٹ کٹ پر رکھتے ہیں۔

سوال: اس کے لیے بھی مختصر بات کرنی پڑتی ہے اور قرآن مجید کی آیات پڑھنی ہوتی ہیں، تو اس میں کس مضمون کو ترجیح دی جائے؟

جواب: اللہ تعالیٰ ہمارے خالق ہیں اور پیدا کرنے والے سے زیادہ کون جانتا ہے کہ انسان کی نفسیات کیا ہیں، قرآن مجید نے جن مضامین کو ترجیح دی ہے ان کو ترجیح دینا چاہئے، ظاہر ہے توحید، رسالت اور آخرت اصل ہیں، اور ان میں بھی توحید و رسالت کو

ماننا آخرت کی نجات کے لیے ہے، تو جنت و دوزخ کا ذکر بھی ہے، جو انسان کو کسی بڑے فیصلہ پر آمادہ کرسکتا ہے، اور آخرت میں نجات کی بنیاد پر ایمان قبول کرنے والا ایمان پر قائم بھی رہتا ہے، اس لیے مدعو کے سامنے جنت و دوزخ کا ذکر جس قدر کیا جائے مفید ہوتا ہے، آپ جانتے ہیں ''مرنے کے بعد کیا ہوگا؟'' کتاب صرف مسلمانوں کے لیے لکھی گئی ہے، اور اس کا ترجمہ بھی ہندی میں نہیں ہوا ہے، صرف رسم الخط بدلا گیا ہے۔ پوری طرح ہندی جاننے والا اس کو سمجھ بھی نہیں پاتا، مگر کتنے لوگ اس کو پڑھ کر الحمد للہ مسلمان ہو چکے ہیں۔

سوال: اسلام قبول کرنے کے بعد فوراً اس کو کس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہیے؟

جواب: اولاً اس کو کفر وشرک سے بچنے پر زور دینا چاہیے۔ پاکی کے مسائل اور نماز وغیرہ کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، اس کو مرتے دم تک ایمان پر جمنے کی بات سمجھانا چاہیے، کہ اصل ضرورت ایمان کی مرنے کے بعد پڑے گی، اور اس کو گھر والوں پر کام کرنے کی ترتیب سمجھا کر عملاً آمادہ کرنا چاہئے، داعی بنا دینا اس کے سارے مسائل کا علاج ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ خود ہمارا داعی بن جانا ہمارے ہر مسئلہ کا حل بھی ہے۔

سوال: عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اور یہ حقیقت بھی لگتی ہے کہ اسلام اور مسلمان لوگوں کو خطرہ لگتے ہیں ایسے مخالف حالات میں دعوت کا کام کرنا کتنا خطرناک ہے، اور ایسے میں صاف صاف دعوت کی بات کرنا کیا حکمت کے خلاف نہیں ہے۔

جواب: سارے مخالف حالات اور دشمنیاں صرف اس لیے ہیں کہ ہم نے دعوت کا کام نہیں کیا، اور اپنی خیر گواہی ثابت نہیں کی، ورنہ خیر خواہوں کو کہاں سے خطرہ ہوسکتا ہے، ساری مخالفت فانهم لا يعلمون (کیونکہ وہ جانتے نہیں) کی وجہ سے ہے، دعوت

ہمارے مدعو غیر مسلم بھائیوں کا حق ہے اور حق نہ پہنچانا ظلم ہے، اور اللہ کا قہر اور غضب ظالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اگر ہم دعوت نہیں دیں گے تو اللہ کے قہر اور غضب کا خطرہ ہے، اس لیے دعوت نہ دینے سے خطرہ ہے اور دعوت دینے سے تو: والله يعصمك من الناس (اور اللہ آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا)۔

اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہ کام کرتے ہیں اور دعوت دینا ہمارا قانونی حق ہے، اس سے روکنے والا ہندوستان کے قانون کے مطابق مجرم ہوگا، اس لیے نہ کرنے پر ڈرنا چاہئے کرنے والے اور حق ادا کرنے والے کو ڈرنے کا کیا مطلب، اور اگر بالفرض مشکل آئے بھی، تو وہ ساری قربانیاں جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ نے سہی ہیں، وہ اسی ایمان کی دعوت کی راہ میں ہوئی ہیں، تو پھر سعادت سمجھ کر ان کے لیے آمادہ رہنا چاہیے، حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری کمزوریوں کو جانتے ہیں: لا يكلف الله نفسا الا وسعها (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتے)

سوال: اللہ کا شکر ہے کہ مختلف لوگ دعوت کے کام پر لگ گئے ہیں، ان کام کرنے والوں میں باہمی تعاون اور کام کو مربوط کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: اس حقیر کا خیال ہے کہ لوگوں کو اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنے طریقہ سے کام کرنے دینا چاہیے، بس ہر کام کرنے والے کے کام کا اعتراف اور خود اپنی بساط بھر ان کا تعاون اور ان سے استفادہ کرتے رہنا چاہیے، بہت زیادہ اتحاد کی کوشش مفید ہونے کے بجائے مضر ہوسکتی ہے، ہم جیسے کام کرنے والوں میں اخلاص کی کمی تو ہے ہی، ہر ایک یہ چاہے گا لوگ میری اقتدا میں کام کریں، جو ظاہر ممکن نہیں، بس ہم لوگ کام کرتے رہیں

اور کم از کم ہر ایک کے ساتھ تعاون کے ساتھ اپنی راہ پر کام کرتے رہیں، مجھے ایسا لگتا ہے کہ بس یہی کافی ہے۔

سوال: آپ اکثر یہ فرماتے ہیں کہ دعوت کی راہ میں بڑی رکاوٹ داعی اور مدعو دونوں کا ایک دوسرے پر عدم اعتماد ہے، خصوصاً مسلمانوں کی منفی ذہنیت، اس کا کیا علاج ہے؟

جواب: داعی اور مدعو کا رشتہ طبیب اور مریض کا ہوتا ہے، اگر طبیب اپنے مریض کو حریف، مخالف اور سازشی سمجھے گا تو علاج کا سوال ہو ہی نہیں سکتا، اصل بات یہ ہے، اور اس کا علاج عملاً میدانِ دعوت میں امت کا اترنا ہے، میدان دعوت میں جب آخری درجہ کے اسلام دشمن اور مسلمانوں اور اسلام سے دشمنی رکھنے والے لوگوں کو دعوت دیں گے تو اندازہ ہوگا کہ یہ دشمنی کسی عدم واقفیت اور غلط واقفیت پر مبنی تھی، ہمارے ایک دوست نے ''ہمیں ہدایت کیسے ملی'' کے عنوان سے چھ نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کے انٹرویوز ارمغان سے منتخب کر کے ہندی میں چھپوائے ہیں، میرے فون پر ایک صاحب کا ایس ایم ایس آیا'' میں بجرنگ دل، اور وشو ہندو پریشد کا اسٹیٹ ذمہ دار ہوں، آپ جب فرمائیں مجھے بات کرنی ہے''۔ میں نے بات کی، کوئی گوسوامی جی بول رہے تھے، بتانے لگے کہ مجھے ایمبولنس میں بھی مسلمان اچھا نہیں لگتا تھا، مگر 'مگر مجھے ہدایت کیسے ملی' پڑھی تو بالکل سوچ بدل گئی، میں نے قرآن مجید بھی پڑھ لیا ہے، اب آگے کے مسائل پر بات کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کس طرح مسائل سے نمٹنا پڑے گا، میدانِ دعوت میں جر کر فانهم لا يعلمون کی حقیقت سمجھ میں آئے گی۔ یہ منفی سوچ مثبت اور خیر خواہانہ سوچ میں صرف دعوت سے بدل سکتی ہے، یہی اس کا علاج ہے۔

سوال: آپ نے ایک مضمون لکھا ہے'' ہر مرض کی دوا ہے صلِ علیٰ محمد'' جو کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے، آپ نے اس میں پوری دنیا کے مسائل کا حل دعوت میں بتایا ہے، جب ہم لوگوں سے یہ بات کہتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ غلو اور دعوتی فوبیا ہے، اور اسلام مذہب اعتدال ہے، اس کے بارے میں آپ کی فرماتے ہیں؟

جواب: بلا شبہ اسلام مذہب اعتدال ہے، غلو کسی بھی چیز میں ٹھیک نہیں ہے، مگر ہمارے لیے اعتدال کا معیار طے کیا گیا ہے، ورنہ تو ہر آدمی اپنے طریقہ اور فکر کو معتدل بتائے گا، اور سچی بات یہ ہے کہ کوئی غالی ترین آدمی بھی اپنے کو غلو پر نہیں سمجھتا، بلکہ اعتدال پر سمجھتا ہے، اس کے لیے اعتدال کی راہ ہمارے لیے عملی طور پر طے کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کی شکل میں۔ جب ہم سیرت نبوی پر غور کرتے ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہر خیر کے کام میں آپ حد درجہ سبقت لے جانے والے، عبادت میں نماز کا یہ حال ہے کہ ساری ساری رات کھڑے ہیں، پاؤں پر ورم آجاتا ہے، مگر کسی نے آپ کو یہ نہیں کہا کہ آپ اتنی نمازیں کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ پر نماز کا جنون طاری ہو گیا ہے۔ آپ روزے رکھتے تھے مگر اس کے لیے آپ کو مجنون نہیں کہا گیا، آپ کی سخاوت کا یہ حال تھا آپ کی ملکیت میں مال ہوتا تو بعض مرتبہ جب تک وہ سارا تقسیم نہ ہو جاتا آپ گھر تشریف نہ لے جاتے، سائلوں کو واپس نہ لوٹاتے، قرض لے کر لوگوں کی ضرورت پوری کرتے، اور قرض خواہ پھر آپ کو تکلیف پہنچاتے مگر اس کے لیے آپ مجنون نہیں کہا گیا، کسی اور خیر یا بھلائی کے کرنے میں آپ کو مجنون نہیں کہا گیا، قرآن مجید میں نو بار جنون کا لفظ آیا ہے، دو بر دوسرے نبیوں کے لیے اور سات بار ہمارے نبی ﷺ کے لیے، ہر مقام پر اسی دعوتی سوز اور لوگ کس طرح ایمان میں آجائیں اس کی فکر میں مجنوں کہا گیا، اس

سے یہ ثابت ہوا کہ اسوہ حسنہ کی روشنی میں اعتدال یہ ہے کہ آدمی پر دعوتی جنون طاری ہو، اور ول لوگوں کو کفر وشرک اور دوزخ سے بچانے کے سوز میں تڑپے، لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں دعوتی فوبیا ہوگیا ہے، جنون ہوگیا ہے، ہمیں حیرت ہے کہ ہم دعوت دعوت گلے کے اوپر سے چیخ رہے ہیں، کاش اللہ تعالیٰ دل ودماغ پر رحمۃ للعالمین نبی کریم ﷺ کے جنون وتڑپ اور باخع نفس کا کوئی حصہ عطا فرمادیں۔ یہ حقیر خاص مقام اور وقت میں سب سے زیادہ یہی دعا کرتا ہے کہ ہمیں بھی نبی ﷺ کا تڑپنا نصیب ہوجائے، کاش ہمیں دعوتی فوبیا ہوجائے۔

سوال : ہمارے ساتھی کہیں جاتے ہیں تو ہمارے تبلیغی ساتھیوں کی طرف سے بعض مرتبہ بڑی مشکلات سامنے آتی ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے بڑوں کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب : یہ بات پہلے میں عرض کرچکا ہوں کہ ہم جیسے بالکل کوڑا کرکٹ کی طرح کے لوگوں کا دعوت سے لگ جانا اور ہمارے ہاتھوں پر لوگوں کا مشرف باسلام ہونا صد فیصد بانی تبلیغ کے نشانوں اور ان کے نالہ نیم شبی کی کرشمہ سازی ہے، میرے حضرت والا مجدد تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ لگنے والے علماء میں سب سے پہلے لگنے والے لوگوں میں تھے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ غیر مسلموں میں دعوت کے لیے بنگلہ والی مسجد سے نکلے تھے کہ میواتی حضرات سے ملاقات ہوگئی، جو نیم مرتد تھے، ان میں کام شروع کردیا کہ اجتماعی طور پر کام کا میدان ہے، اور پھر ملت میں دعوتی مزاج پیدا کرنے کے لیے یہ کام شروع کیا جس کو وہ ہمیشہ کام کی الف با فرماتے تھے، یہ حقیر غیر مسلموں میں کام کو بنگلہ والی مسجد کے کام کی تا ثا سمجھتا

ہے، اور صد فیصد یقین ہے کہ بنگلہ والی مسجد سے یہ کلمہ پورے عالم کے ہر انسان تک پہنچے گا، اس حقیر کے پاس حضرت مولانا الیاسؒ اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے خطوط کے فوٹو محفوظ ہیں جن میں دونوں بزرگوں نے یہ بات فرمائی ہے کہ ابھی ہمارا کام کہاں شروع ہوا ہے، ہم تو جب کام سمجھیں گے جب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگیں گے۔

ایک بار دہلی کی ایک بڑی جماعت کے ملک بھر کے داعیوں کے اجتماع میں لوگوں نے اس حقیر سے سوال کیا تھا کہ آپ تبلیغی جماعت کے اکابرین سے غیر مسلموں میں دعوت کی بات نہیں کرتے، تو اس حقیر نے اظہار حقیقت کے طور پر عرض کیا تھا کہ اب دنیا میں دعوت کی فضا بنی ہوئی ہے، لوگ بڑی تعداد میں اسلام میں آرہے ہیں ان میں اکثر تعداد وہ ہے جو از خود یا اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ سے متأثر ہوکر اسلام کا مطالعہ کر کے مشرف باسلام ہورہے ہیں، یا پھر وہ لوگ جو مسلمانوں کی دعوتی کوششوں سے مسلمان ہورہے ہیں ان کا جب آپ گہرائی سے مطالعہ کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان مسلمانوں کی کوششوں سے مسلمان ہونے والوں میں سب سے زیادہ ہمارے تبلیغی جماعت کے ساتھیوں کی انفرادی کوششوں سے لوگ مسلمان ہورہے ہیں۔ اور یہ سلسلہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے زمانہ سے ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کے ساتھ سایہ کی طرح رہنے والے رفقاء میں جن دو حضرات کے تذکرہ کے بغیر حضرت مولانا کی سیرت وسوانح مکمل نہیں ہوسکتی ان میں یک میانجی موسیٰ اور حاجی عبدالرحمٰن اناوڑی ہیں جن پر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو بڑا اعتماد تھا، یہ حاجی عبدالرحمٰن خود ایک نومسلم تھے، اور ان کے ہاتھوں پر ہزاروں لوگ، ایک روایت کے مطابق چار ہزار سے زائد لوگ

مشرف باسلام ہوئے، اس کے علاوہ کرنل امیر الدین جیسے کتنے تبلیغی حضرات دنیا میں ہیں جن کے ہاتھوں پر بڑی تعداد مشرف باسلام ہوئی، ابھی بھی قبول اسلام کرنے والوں کے لیے ان کی ابتدائی تربیت کے لیے جماعت میں بھیجنے سے زیادہ اور کوئی راستہ نہیں، اور الحمد للہ مرکز کے تمام اکابرین اس حقیر کے لیے اور رفقائے کار کے لیے دعا فرماتے ہیں، اور اکثر ملاقات پر تعلق اور خاص اوقات اور مواقع پر دعا کا ذکر کیا کرتے ہیں، اور بتدریج مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ریل میں بس میں اسٹیشن اور بس اڈہ پر تعلیم میں غیر مسلم ساتھیوں کو شامل کرنے کی بات بھی اجتماعات میں ہمارے بزرگ فرما رہے ہیں، کہیں کہیں نا سمجھی کی وجہ سے کچھ مخالفت کی بات ہو تو خواہ آپ کے ساتھ دعوتی کام کرنے والوں کو بھی کسی بات سے اختلاف ہو سکتا ہے۔

سوال: لوگ کہتے ہیں پہلے ہم خود تو سدھر جائیں، ہماری اصلاح ہو جائے کہ خود مسلمان مرتد ہو رہے ہیں، ہمیں غیروں کے کیا پڑی ہے، اس طرح کے سوالات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ ایک طویل موضوع ہے، اس کے لیے ارمغان میں کئی مضمون لکھ چکا ہوں، ’دعوت دین کچھ غلط فہمیاں کچھ خام خیالیاں‘ جواب کتابی شکل میں ’’دعوت دین کچھ غلط فہمیاں کچھ حقائق‘‘ کے نام سے بازار میں دستیاب ہے، اس کو پڑھنا اور پڑھوانا چاہئے، اس میں اس طرح کے سارے اشکالات کا جواب دیا گیا ہے، یہ کتاب بہت اہم ہے، امید ہے انشاء اللہ کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا، اہل علم نے اس کو بہت پسند کیا ہے اور کتنے لوگوں کے ذہن صاف بھی ہوئے ہیں۔

سوال: ماہ مبارک میں ہم لوگوں کو دعوت کے لیے کیا کرنا چاہئے؟

جواب: ماہ مبارک قرآن مجید کے نزول کے اعزاز میں اللہ کی طرف سے خاص عطائے شاہی کا موسم اور جشن اور ہدی للناس قرآن مجید کی برکات حاصل کرنے کا مہینہ ہے، اس مہینہ کو دعاۃ کو اپنے نشانے طے کرنے اور اللہ سے منظور کروانے کے لیے خاص کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے دعوتی منصب کے لیے قبل کرنے کی دعا کرنی چاہیے۔ وہاں سے منظور ہونے کے بعد وسائل اور ضروریات خود حتیٰ کہ ایمان اور درد دل سب کچھ عطا ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے بہت یقین اور تضرع کے ساتھ دعا کرنا چاہیے۔

سوال: داعی کو میدان دعوت میں جس چیز کا لحاظ زیادہ ضروری ہے ان میں سب سے زیادہ مفید بات کون سی ہے بتادیں؟

جواب: الگ الگ لوگوں کے الگ الگ جوابات ہو سکتے ہیں، اس حقیر کا تجربہ یہ ہے کہ کار دعوت کار نبوت ہے، اس عظیم کام کی عظمت کے ساتھ اپنی نااہلی اور کم مائیگی کا جس قدر احساس ہوگا، اللہ تعالیٰ فتوحات کے فیصلے فرماتے ہیں، اپنی ناکارگی، بے عملی، کم علمی اور نااہلی کے احساس سے تضرع اور مناجات کی توفیق بھی زیادہ ہوتی ہے، انسان کے پاس دعا اور سوال کے علاوہ کوئی سہارا ہی نہیں، اور جب حد درجہ تضرع کے ساتھ آدمی دعا کرتا ہے تو مولائے کریم کی طرف سے عطا کے فیصلے ہو جاتے ہیں، اس کے لیے ماہ مبارک کا مہینہ تو ہے ہی مانگنے کا، ہم لوگوں کا منھ کہاں کہ احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری دیں، بس احساس احتیاج اعتکاف کے بہانے در پر ڈالے رکھتا ہے کہ حاجت پوری اس در کے علاوہ کہیں سے ہو نہیں سکتی، اس لیے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

سوال: قارئین کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟
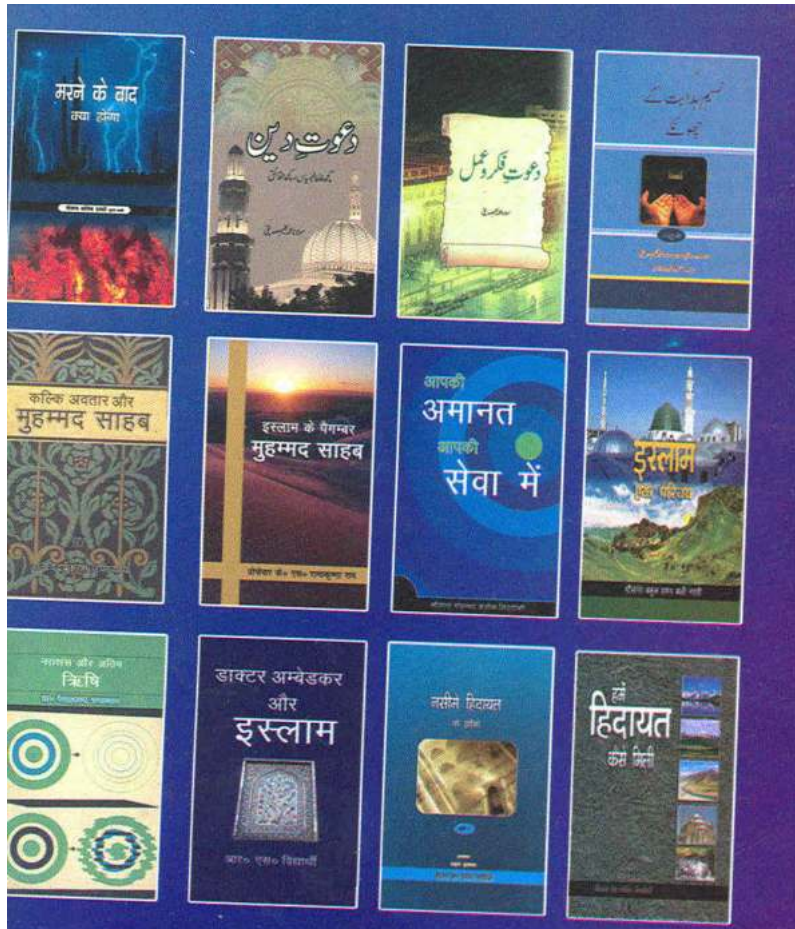
جواب : یہ اہل محبت کا ملک ہے، اللہ نے اپنی شاہکار تخلیق انسان کو 'احسن تقویم' خوبیوں کے سانچہ میں ڈھالا ہے، ایسی محبت بھری قوم اور خوبیوں کے سانچہ میں ڈھالی گئی احسن الخالقین کی تخلیق انسان سے مایوس ہونے کے بجائے اس کے حسن کو ظاہر کرنے کے لیے جرأت اور محبت سے میدان دعوت میں اترنا چاہئے، یہاں دعوت کے لیے صلاحیت نہیں بلکہ صرف جرأت اور محبت کی ضرورت ہے، خود ہدایت کے لیے پیاسی انسانیت کے لب سے ٹھنڈے پانی کے پیالے لگانے کی ضرورت ہے، اس جذبہ کے ساتھ میدان دعوت میں اترنا ہر یاس کو آس میں بدلنے کے لیے شاہ کلید ہے۔

مستفاد از ماہنامہ 'ارمغان' ماہ مئی، جون، اگست و ستمبر ۲۰۱۰ء

☆☆☆